

مجموعہ کلام انیس ودبیر

مرتبہ نظامی بد آیونی

مطبوعہ نظامی پریس بد آیوں

انیس ودبیر

کے

پانچ مرثیوں کا مجموعہ

جو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن آگرہ والہ آباد اور ہندوستان

کی دوسری یونیورسٹیوں کے بے اے کے نصاب میں

داخل ہیں

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

عنوان

نمبر شمار

دیباچہ از مولف	۱
میر انیس کے مختصر حالات زندگی	۲
مرزا دبیر کے مختصر حالات زندگی	۳
جب رن میں سر بلند علی کا علم ہوا (میر انیس)	۴
بخدا فارس میدان تہور تھا	۵
پھوٹا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح	۶
پیداشعاع مہر کی مقراض جب ہوئی (مرزا دبیر)	۷
گلگونہ رخسارِ فلک گرد ہے رن میں	۸
تشریح اسماء متعلقین امام حسینؑ	۹
تشریح اسماء متعلقین یزید ملعون	۹

ایک احساس

ہم نے اس نادر و نایاب کتاب کو اپنے چچا زاکر اہلبیت حاجی مداح حسین صاحب کی چھوٹی سی لائبریری میں دیکھا جو کہ تقریباً ۷۷ سال پرانی تھی اور ماہ و سال کی گرد نے اس کے اوراق کو نہایت سخت اور بوسیدہ کر دیا تھا جس کی وجہ سے اکثر پلٹتے ہوئے اس کے اوراق ٹوٹ جاتے تھے۔ یہ کتابیں ہمارا ایسا قیمتی سرمایہ تھا کہ جن کو ضائع کر کے نہ صرف ہم نے اپنی ادبی حیثیت ختم کر دی بلکہ مذہبی لگاؤ بھی ناپید ہو گیا۔ جب سے مغرب کے پروردہ لوگ باختیار ہوئے تو انہوں نے تعلیمی نصاب کا قبلہ ہی بدل کے رکھ دیا۔ میر انیس صاحب کی شاعری میں واقعاتِ کربلا کو اس طرح جزئیات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں خاندانِ رسول کی محبت اور اُن کا درد پیوست ہو کر رہ جاتا ہے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ اُس وقت لوگ علمی مباحثے تو کرتے تھے لیکن اسلام کے نام پر مسجدوں اور امام بارگاہوں کو بیگناہوں کے خون سے رنگنے کا تصور تک نہیں تھا۔ بہر حال یہ تو ایک درد تھا جس کا یہاں معمولی سا اظہار کیا گیا۔ ہماری کوشش کا مقصد یہ ہے کہ اس قریب المرگ کتاب کو دوبارہ زندہ کیا جائے ممکن ہے کہ اس طرح کسی کے مطالعے کی دسترس تک پہنچ سکے۔ اوراق کی بوسیدگی کی وجہ سے بعض مقامات پر پورے بند کے بند غائب ہیں۔ لیکن بعض جگہ سیاق و سباق اور الفاظ و محاوروں کی مدد سے ادھورے مصرعوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ اور اُن نمبر پر سرخ رنگ میں ستارے کا نشان لگا دیا گیا ہے

کتابت

مختار حسین عاصم

دیباچہ از مؤلف

نظامی بدایونی پریس کی مطبوعہ چار جلدیں جن کی ترتیب تصحیح مولانا علی حیدر طباطبائی مرحوم نے فرمائی اس قدر مقبول ہوئیں کہ پہلی جلد کی کوئی کاپی باقی نہ رہی اور دوسری جلد کے بھی دو چار ہی نسخے رہ گئے ہیں موجودہ کساد بازاری کہ جس سے کتابوں کی تجارت بھی مستثنیٰ نہیں کوشش کی جا رہی کہ ان کتابوں کے دوسرے ایڈیشن جلد سے جلد چھاپے جائیں میرا نیس کے کلام کی مقبولیت اب مجالس عزاتک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس کی رسائی ادبی حیثیت علمی اداروں تک بھی ہو گئی ہے میر صاحب کے کلام کی پہلی جلد الہ آباد یونیورسٹی کے بی اے کے امتحان میں داخل ہے۔ اور میر صاحب کے تین مرثیے جو اس مجموعے میں شامل ہیں جامعہ عثمانیہ اور آگرہ یونیورسٹی نے بھی اپنے نصاب میں داخل کیے ہیں۔ میرا نیس کے ان تین مجموعوں کے علاوہ ہم نے اس مجموعے میں مرزا دبیر کے دو مرثیے بھی شامل کر دیے ہیں۔ اس وقت پانچ مرثیوں کے اس مجموعے کو شائع کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ یہ پانچوں مرثیے ایک خوبصورت کتاب کی شکل میں بی اے کے طلبا تک پہنچ جائیں تاکہ انہیں مرثیہ کی ضخیم جلدیں خریدنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ ان پانچ مرثیوں کی تصحیح میں ہم نے اپنی تمام امکانات کوششیں صرف کر دی ہیں میرا نیس کے تین مرثیے تو نظامی پریس کی مطبوعہ جلدوں سے لیے گئے ہیں اس لیے ان میں تصحیح کی زیادہ زحمت نہیں اٹھانی پڑی البتہ کتابت کی بعض غلطیاں میں بھی درست کی گئیں۔ مرزا دبیر کے دو مرثیے جو آخر میں درج ہیں وہ نو لکھنؤری جلد سے لیے گئے ہیں جس میں کتابت کی غلطیوں نے مصرعہ کے مصرعہ اور بند کے بند مسخ کر دئے ہیں اس کی تصحیح میں ہم نے ان لوگوں سے بھی مدد لی ہے کہ جن کے حافظے میں مرزا صاحب کے کلام کا زیادہ حصہ محفوظ ہے اس کے علاوہ سبق و سابق اور الفاظ و محاورات کی تحقیق سے مدد لے کر ان کی تصحیح کی۔ ان کوششوں کے ذریعے اس مجموعے کو اس قابل بنایا گیا کہ طلبا انیس و دبیر اس کے مطالعے سے صحیح طور مستفید ہو سکیں۔ اس کے علاوہ ان ناموں کی فہرست بھی اس میں شامل کر دی گئی ہے کہ جو ان مرثیوں بار بار آتے ہیں اور ان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے پہلا حصہ امام حسینؑ کے اعزاء و رفقاء پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا حصہ میں مخالفین کے نام ہیں اور ان کی تشریح ہے ہمیں اُمید ہے کہ ہماری یہ سعی مشکور ہوگی۔

خاکسار

نظامی بدایوں ۱۲ جون ۱۹۳۳ء

میر انیس کے مختصر حالات

میر بر علی نام میر مستحسن علی خلیق کے صاحب زادے اور میر حس کے پوتے تھے بزرگوں کا وطن دہلی تھا اُن کے پردادا میر غلام حسین ضاحک انقلاب دہلی کے بعد فیض آباد چلے آئے اس زمانے میں میر حسن جو ان تھے نواب آصف الدولہ نے جب فیض آباد کو چھوڑ کر لکھنؤ کو اپنا دار الحکومت بنایا تو میر حسن بھی لکھنؤ آ گئے۔ میر انیس فیض آباد میں پیدا ہوئے تاریخ پیدائش کی تحقیق نہیں مگر چونکہ انتقال ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ بمطابق دسمبر ۱۸۷۴ء ہے اور انتقال کے وقت اُن کی عمر اے برس بتائی جاتی ہے تو اس حساب سے سال پیدائش ۱۲۲۰ھ بمطابق ۱۸۰۳ء بنتا ہے۔ میر صاحب عربی فارسی اور مذہبی علوم میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ بھی مذہبی مسائل سے بھی بخوبی آگاہ تھیں۔ اُن کی تربیت کا اخلاقی اثر میر صاحب پر بہت گہرا پڑا یہی وجہ ہے کہ میر صاحب غصے اور حقارت کے موقع پر بھی مخالفین کے لیے وہ لفظ استعمال نہیں کرتے تھے جو تہذیب سے گرے ہوئے ہوں۔ میر صاحب اپنے والد میر خلیق کے شاگرد تھے ابتدا میں غزل بھی لکھتے تھے مگر بعد میں اپنے والد کی نصیحت پر یہ شوق ترک کر کے مرثیہ لکھنا شروع کیا اور اسی میں کمال حاصل کیا۔ متانت، سلاست، شگفتگی، اثر فصاحت اور آؤرد میں بھی آمد کی شان پیدا کر دینا میر صاحب کے کلام کا خاصہ تھا اس میں کوئی شک نہیں کہان کے کلام میں رزم سے بزم کا درجہ زیادہ بلند ہے لیکن رخصتی، مناظر اور فضا کی تصویریں بے مثل کھینچتی ہیں۔ بڑے بڑے مسئلے اور سخت سے سخت مراحل سادہ الفاظ میں اس آسانی سے نظم کر دیتے ہیں کہ اُن کی قادر کلامی پر حیرت ہوتی ہے۔ خود داری اور عزت نفس کا بہت خیال رکھتے تھے مگر یہ باتیں اپنی جائز حدود سے متجاوز نہ تھیں حالانکہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی لیکن ہمیشہ دہلوی النسل ہونے پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ مرثیہ گوئی کے ساتھ مرثیہ خوانی میں کمال حاصل تھا زبان سے جو مفہوم ادا کرتے اشارات سے اُس کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ آواز بھی بلند اور دلکش پائی تھی۔ قدیم شرفاء کی طرح وضع کے پابند تھے قد متوسط مائل بدرازی تھا بدن چھریا چہرہ کتابی رنگ گندمی تھا لمبی وضع دار مونچھیں، باریک کتری ہوئی داڑھی چو گوشتیہ ٹوپی، ڈھیلی مہری کا پاجامہ گھیرے دار کرتا اور گھیتلا جو تا اُن کی وضع کی خصوصیات تھیں با اوقات اور قناعت پسند تھے لکھنؤ میں تالاب کٹورے کی کر بلا میں دفن ہوئے سرے دفن نام اور تاریخ وفات کی تختی نصب ہے



مرزا دبیر کے مختصر حالات

مرزا سلامت علی نام۔ مرزا غلام حسین کے صاحب زادے تھے ۱۱ جمادی الاول ۱۲۱۸ھ کو ہندوستان کے شہر دہلی کے محلہ بلی ماراں میں پیدا ہوئے ان کے بزرگوں میں مرزا محمد رفیع المتخلص بہ رفیع مصنف قصیدہ اور روضہ رضواں تھے اور جد اعلیٰ شراز کے مشہور شاعر ملا اہلی برادر حقیقی ملا ہاشم شرازی مصنف مثنوی سحر ہلال ہیں۔ مرزا صاحب جب لکھنؤ آئے تو ان کی عمر ۷۷ سال تھی۔ ان والدہ لکھنؤ کی تھیں اس سلسلے سے مستقل وطن لکھنؤ ہو گیا مرزا صاحب کی زوجہ میر انشا اللہ خان دہلوی کی نواسی تھیں مرزا صاحب ۱۲ سال کی عمر میں فارسی اور کچھ عربی پڑھ چکے تھے کہ شاعر کا شوق پیدا ہوا ان کے ادا شناس والد یہ شوق اور مرزا کی قدرتی زہانت دیکھ کر میر ضمیر کی خدمت میں لے گئے میر ضمیر کی فرمائش پر مرزا صاحب نے انہیں یہ قطعہ سنایا

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے

عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس میں شام و سحر کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

اسی جلسے میں میر ضمیر نے دبیر تخلص تجویز کیا۔ مرزا صاحب شاعری کے شوق کو جاری رکھتے ہوئے ترقی تعلیم میں مصروف رہے اور مرزا کاظم علی، مولوی فدا علی، ملا مہدی مازدانی جیسے مستند علماء سے علوم عربی کی تکمیل کی مرزا صاحب غزل بھی لکھتے تھے مگر مشاعروں شرکت پسند نہ تھے مرزا محمد رضا برق کے اصرار پر ان کے مشاعرے میں شریک ہوئے اور غز پر بھی جس کا مطلع یہ ہے

دفن کرنا مجھ کو کوئے یار میں قبر بلبل کی بنے گلزار میں

مرزا صاحب ٹھمریاں وغیرہ بھی کہتے تھے جو نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ کی فرمائش پر لکھی جاتی تھیں مرزا یہ گوئی میں وہ کمال حاصل کیا جس کی عزت و شہرت محتاج بیان نہیں مرزا صاحب کے مرثیوں میں بلاغت، بلند پروازی، دقت پسندی اور شوکتِ الفاظ نمایاں خصوصیات ہیں رزم پر بزم کو ترجیح ہے اور بین خاص طور پر خوب لکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے سوز پڑھنے والے مرزا صاحب کے مرثیے زیادہ پڑھتے ہیں مرثیہ خوانی میں بھی مرزا صاحب کا رنگ میر صاحب سے علیحدہ تھا آپ کے پڑھنے میں ایک خاص قوت اور جوش ہوتا تھا۔ اشارات اور حرکات سے کام لینا پسند نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مرثیہ خوانی میں اشاروں کا تعلق اس زیادہ نہیں ہونا چاہیے جتنا عام گفتگو میں ہوتا ہے مرزا صاحب کا رنگ پکا سانولا قد متوسط مائل بہ بلندی دہرا جسم بڑی بڑی آنکھیں دو انگلی نیچی داڑھی رکھتے تھے۔ ڈھیلا پانجامہ اُسکے نیچے جا گھٹیا گھٹنوں سے نیچے کرتا اور اُس کے نیچے شلوکہ اور گھیتلا جوتا پہنتے تھے حافظہ بہت زبردست تھا ۳۰ محرم ۱۲۹۲ھ کو انتقال ہوا بحساب قمری ۷۲ اور بحساب شمسی ۷۲ سال عمر پائی لکھنؤ کے محلہ نخاس (کوچہ دبیر) میں دفن ہوئے



میر انیس

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Isakina

جب رن میں سر بلند علی کا علم ہوا فوج خدا پہ سائے ابر کرم ہوا
چرخ زبر جدی پئے تسیم خم ہوا پنچے پہ سات بار تصدق حشم ہوا
دیکھانہ تھا علم جو کبھی اس نمود کا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا

۲

وہ شان اس علم کی وہ عباس کا جلال نخل زمر دی کے تلے تھا علی کا لعل
پنچے پہ جان دیتی تھیں پریوں کا تھا یہ حال غل تھا کہ دوش حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
ہر لہر آبدار تھی کوثر کی موج سے
طوبیٰ بھی دب گیا تھا پھریرے کی عوج سے

۳

تھا پنچ تن کا نور جو پنچے پہ جلوہ گر عجمی کی پتلیوں میں بھی تھا روشنیوں کا گھر
زرے نثار کرتے تھے اٹھ اٹھ کے اپنا زر تکتے تھے فوق سے تو ملک تحت سے بشر
اللہ ری چمک علم بوترا ب کی
تارِ نظر بنا تھا کرن آفتاب کی

۴

قربان احتشام علمدار نامور رُخ پہ جلالت شہ مرداں تھی سر بسر
چہرا تو آفتاب سا اور شیر سی نظر قبضے میں تیغِ بر میں زرہ دوش پر سپر
چھایا تھا رعب لشکر ابن زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیر الہی جہاد پر

۵

وہ عوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم
پنچے کی وہ چمک وہ سرافرازی علم گرتی تھی برق فوج مخالف پہ دمبدم

کیا رفعتِ نشانِ سعادت نشان تھی
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

۶

پنچہ اٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار عالم میں پنچتن کی بزرگی ہے آشکار
یہ ششجہت انہیں کے قدم سے ہے برقرار کیوں ہفتہ دوست بنتے ہوئے قوم نابکار
آٹھوں بہشت ملتی ہیں مولا کے نام سے
بیعت کرو حسین علیہ السلام سے

۷

غرفوں سے جھانک جھانک کے بولی ہر ایک حور صلِ علیٰ علم کی چمک ہے کہ برق طور
یارِ رب رہے نگاہِ بد اس کی ضیا سے دور پنچہ ہے یہ کہ ایک جگہ پنچتن کا نور
جلوے ہیں سب محمد وحید کی شان کے
قربان اس جواں کے نثار اس نشان کے

۸

آگے کبھی نہ دیکھی تھی اس حُسن کی سپاہ دنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ
دیکھیں کسے کسے کہ ہے ایک ایک رشکِ ماہ جاتی ہے جس کے رُخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انہیں دموں سے ہے رونق زمین کو
چُن کر حسین لائے ہیں کس کس حسین کو

۹

شہرہ بہت تھا حُسن میں کنعاں کے ماہ کا قصہ سنا ہوا تھا زلیخا کی چاہ کا
یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا یوسف ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
سنتے تھے ہم کہ عالم ایجاد و زشت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں کہ دنیا بہشت ہے

۱۰

ہمشکل مصطفیٰ کا ہے کیا حسن کیا جمال
صبح جبیں ہے اور شب گیسو ہیں بے مثال
یہ لب یہ خط یہ چشم یہ ابرو یہ رخ یہ خال
یا قوت و مشک و زگس و نجم و ماہ و ہلال
اک گل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
چہرہ نہ کہیے قدرت پروردگار ہے

۱۱

لخت دل حسن بھی ہے کس مرتبہ حسین
جس کے چرخ حسن سے روشن ہے سب زمیں
یہ زلف مشک بیز یہ آئینہ جبیں
سرمایہ خطا و ختن کائنات چیں
رخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئی
سہرے کی ہر لڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئی

۱۲

نام خدا ہیں عون و محمد بھی کیا شکیل
اک مہر بے نظیر ہے اک بدر بے عدیل
افروختہ ہیں رخ یہ شجاعت کی ہے دلیل
ہمت بڑی ہے گوکہ ہیں عمریں ابھی قلیل
مثل علی ہیں جنگ و جدل پرتلے ہوئے
دونوں کے نیچوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے

۱۳

عباس نامور بھی عجب سچ کا ہے جواں
نازاں ہے جس کے دوش منور پہ خود نشان
حزہ کا رعب صولت جعفر علی کی شان
ہاشم کا دل حسین کا بازو حسن کی جاں
کیونکر نہ عشق ہو شہ گردوں جناب کو
حاصل ہیں سیکڑوں شرف اس آفتاب کو

۱۴

اُس مہر کو تو دیکھو یہ زرے ہیں جس کے سب
سرتاج آسمان و زمیں نور عرش رب

جنباں زبانِ خشک ہے زکرِ الہ میں
گویا کھڑے ہیں ختمِ رسلِ رزمگاہ میں

۱۵

کیا فوج تھی حسینؑ کی اُس فوج کے نثار
جزا و دیں پناہ نمودار و نامدار
ایک ایک آبروِ عرب فخرِ روزگار
لڑکوں میں سبز رنگ کوئی کوئی گلغزار
فوجیں کوئی سماتی تھیں اُنکی نگاہ میں
وہ سب پلے تھے بیشہ شیرِ الہ میں

۱۶

ایک ایک ملکِ جرات و ہمت کا بادشاہ
آ نکھیں غزالِ رشک مگر شیر کی نگاہ
کیوانِ خدمِ سپرِ حشمِ عرشِ بارگاہ
وہ رُعبِ چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
آبرو زرا جو ہل گئے تلوار چل گئی

۱۷

وہ اشتیاقِ جنگ میں لڑکوں کے ولولے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے
بیتاب تھے کہ دیکھیے تلوار کب چلے
سب فاطمہؑ کی بیٹیوں کے گود کے پلے
اک اک رسولِ حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پہ علیؑ نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

۱۸

اکبر سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کیے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جئے
یہ نیچے نہ لیویں گے دم بے لہو پئے
صدقے ہوں اس قدم پہ یہ سر ہیں اسی لیے
آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھیے گا تماشا لڑائی کا

۱۹

بچپن پہ خادمانِ اولوالعزم پہ نہ جائیں
جب چاہیں معرکے میں ہمیں آپ آزمائیں
تن تن کے روکیں برچھیں ہنس ہنس کے زخم کھائیں
بجلی گرے تو منہ پہ جھک کر سپر نہ لائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکالے
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالے

۲۰

کہتے تھے مسکرا کے یہ زینبؓ کے دونوں لعل
کھلتے ہیں خود دلیروں کے جو ہر دم جدال
ہر وقت چاہیے مددِ شیرِ زوالِ جلال
نعرہ ابھی کریں تو ہلے عرصہ قتال
اُتری ہے تیغ جن کے لیے وہ دلیر ہیں
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

۲۱

یہ چہچہے جو کرتے تھے باہم وہ گلغزار
شہیر دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
پاس آ کے عرض کرتے تھے عباس نامدار
سنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جانثار
جرات ٹپک رہی ہر اک کے کلام سے
یہ نیچے رُکیں گے بھلا فوجِ شام سے

۲۲

یہ سن یہ زور و شور یہ عمریں یہ آن بان
یہ بھولے بھالے منہ یہ جوانمردیاں یہ شان
باتیں رجز سے کم نہیں اللہ رے خوش بیان
چلتی ہے زلفقارِ علیؑ کی طرح زبان
کس دبدبے سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
جیسے چلن لڑائی کے سب دیکھے بھالے ہیں

۲۳

زینبؓ کے لاڈلوں کی طرف دیکھیے حضور
مثلِ عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
رُخ پہ جلالِ شیرِ خدا کا ہے سب ظہور
پرتو گلوں کا ہے کہ چمکتی ہے برق طور

دونوں میں صاف حیدر و صفدر کے طور ہیں

اللہ کی پناہ یہ تیور ہی اور ہیں

۲۴

یہ زکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف

تیروں نے رُخ کیا سوئے ابنِ شہِ نجف

تھا بسکہ شوقِ جنگِ ہر اک رشکِ ماہ کو

جوش آگیا و غا کا حسینی سپاہ کو

۲۵

غصے سے آفتاب ہوئے مہوشوں کے رنگ

تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ

پاسِ ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی

پڑی ہر اک سواری گھوڑے پہ جم گئی

۲۶

کہتا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے

بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے

نامرد ہیں جو آنکھ چراتے ہیں مرد سے

دونوں کو چار کر کے پھریں گے نبرد سے

۲۷

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی

چتون کسی کی شورِ دہل سے بگڑ گئی

نکلا کوئی سمند کو زانو میں داب کے

غصے سے کوئی رہ گیا ہونٹوں کو چاب کے

۲۸

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے نیزا کوئی ہلانے لگا آن بان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے تلوار کھنچ لی کسی صفر نے میان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہر فرات کو

۲۹

سنتے ہی یہ کلام جوانان نامور لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
کہتے تھے نیچے لیے وہ غیرت قمر یا رب شکست کو فیوں کو دے ہمیں ظفر
سر کے نہ پھر و غا سے جو بڑھ کر قدم گڑے
جا کر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

۳۰

عباس شہ سے کہتے تھے پھرے ہوئے ہیں شیر تیرا سرف سے آتے ہیں اب کس لیے ہے دیر
دودن کی بھوک پیاس میں ہیں زندگی سے سیر مولا غلام سے نہیں رکنے کے یہ دلیر
پاس ادب سے غیض کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
شیر خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ

۳۱

کس کو ہٹائے کس کو سنبھالے یہ جانثار مرنے پہ ایک دل ہیں بہتر وفا شعار
ہے مصلحت کہ دیجیے اب اذن کارزار ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
برہم ہیں سرکشی پہ سوارانِ شام کی
اکبر کی بات مانتے ہیں نہ غلام کی

۳۲

جب روکتا ہوں میں انہیں اے آسمان سریر کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ شریر ہنگامِ جنگ شیر کے بچے ہوں گوشہ گیر

کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
بچوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں

۳۳

اک اک جری کو نشہ جرات کا جوش ہے عالم ہے بیخودی کا پہ مرنے کا ہوش ہے
ہر صف میں یا علیؑ ولی کا خروش ہے کہتے ہیں بار بار کہ سر بار دوش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کی گھاٹ کے
ڈر ہے کہ مرنے جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

۳۴

حسرت سے کی سوئے رُفقاء شاہ نے نظر بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
فرمایا شاہ نے ہم بھی ہیں آمادہ سفر اچھا بڑھے جہاد کو ایک ایک نامور
یہ راہ حق ہے جو قدم آگے بڑھائے گا
در بارِ مصطفیٰ میں وہی پہلے جائے گا

۳۵

مژدہ یہ سن کے شاد ہوئے غازیانِ دین اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوج کین
جب نعر زن ہوئے صفتِ شیرِ خشم کین تھرائے آسماں کے طبق ہل گئی زمین
برپا تھا شورِ حشرِ دیروں کی حرب سے
فوجیں تو کیا جہاں تہہ و بالا تھا ضرب

۳۶

اللہ رے جہادِ حبیب و زہیرِ قین برپا تھا گویا معرکہِ خندق و حنین
جب مر گئے وہ عاشقِ سلطانِ مشرقین مقتل میں پیٹتے ہوئے دوڑے گئے حسینؑ
یوں جا کے روئے اُن کے تن پاش پاش پر
جس طرح بھائی ہے روتا بھائی کی لاش پر

۳۷

خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا کانپا سپہر شاہ نے دمِ سرد یوں بھرا
کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا گہہ روئے آپ ہاتھ جگر پر کبھی دھرا
لڑکے جو یک بیک کئی ہاتھوں سے کھو گئے
ملکڑے حسنؑ کی طرح کلیجے کے ہو گئے

﴿۳۸﴾

تھی قہر حق عقیل کے پوتوں کی کارزار شمشیرِ حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
بابا کی لاج رکھ گئے جعفر کے یادگار تھے تین چار شیر کہ جھپٹے سوئے شکار
فتح و ظفر تھی مثلِ علیؑ اختیار میں
پنچے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں

۳۹

نکلے برادرانِ علمدارِ صف شکن دکھلا دیے علیؑ کی لڑائی کے سب چلن
بے سرتھے مورچوں میں جوانانِ پیل تن لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں پڑتا تھا رن پہ رن
آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک زوالِ فقر کی
عباس داد دیتے تھے ایک ایک وار کی

۴۰

تھا چھوٹے بھائیوں کے لیے مضطرب جودل گہہ شہ کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل
نعرہ یہ تھا کہ شیر ہے ماں کا تمہیں بکل شیر و رُکیں نہ ہاتھ بدن گو ہے مضحل
یہ وقتِ آبرو ہے بڑی جدو کد کرو
ہاں بھائیو امام کی اپنے مدد کرو

۴۱

اُلٹو پڑوں کو اور صفوں کو بچھا کے آو ساحل کے پاس خون کے دریا بہا کے آو
جب باگ اٹھاؤ فوج کے اُس پار جا کے آو یا مر کے آویا اُنہیں رن سے بھگا کے آو

ہاں صفدرو نشاں نہ رہے فوجِ شام کا
بیٹوں کو پاس چاہیے بابا کے نام کا

۴۲

روکر حسینؑ کہتے تھے بھائی سے دمدم
جینے نہ دیگا آہ ہمیں بھائیوں کا غم
دولت پدر کی لٹتی ہے اور دیکھتے ہیں ہم
عباس عرض کرتے تھے اے قبلہ اُمم
اب باپ کی جگہ شہِ عالی مقام ہیں
صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں

۴۳

بے جاں ہوئے جوراہِ خدا میں وہ شیرِ نر
ماتم میں تھے کہ موت نے لوٹا حسنؑ کا گھر
حضرت ضعیف ہو گئے خم ہو گئی کمر
اک دم میں قتل ہو گئے دونوں جواں پسر
سب چل بسے نبیؐ و علیؑ پاس رہ گئے
ستر دو تن میں اکبرؑ و عباسؑ رہ گئے

۴۴

آیا نظر جو لاشہِ نوشاہِ نیک خو
کی غیظ کی نظر طرفِ لشکرِ عدو
اکبرؑ کی چشمِ تر سے ٹپکنے لگا لہو
پہلو سے آئے روتے ہوئے شاہ کے روبرو
نکلی یہ بات جوشِ بکا میں زبان سے
قاسم کے ساتھ جائیں گے ہم بھی جہان سے

۴۵

بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جدا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا وا مصیبتا
سوئے تو ایک فرش پہ کھیلے تو ایک جا
مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا کیا مزا
حسرت یہ ہے کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
پہلو میں ابنِ عم کے ہماری بھی لاش ہو

۴۶

شہ نے کہا کہ سچ ہے یہ ایسا ہی ہے الم خالق جہاں بھائی کا بھائی کو دے نہ غم
 بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہے کم مرم کے غم میں بھائی حسن کے جیسے ہیں ہم
 تازہ تھا غم پدر کا خوشی دل سے فوت تھی
 عباس نامدار نہ ہوتے تو موت تھی

۴۷

بھائی کے بعد ان سے ملی لذت حیات بیکس کے غمگسار تھے یہ یا خدا کی ذات
 خالی نہ پائی مہر و مروت سے کوئی بات سویا جو میں تو اُن کی کٹی جاگتے میں رات
 صدمے بھلائے دل سے حسن کی جدائی کے
 رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے

۴۸

ہے اُن کے اتحاد کا سب سے جدا مزا بیٹے کا لطف بھی کا خط باپ کا مزا
 ملتا ہے اُن کی بات سے ہر دم نیاز مزا اوجھل یہ آنکھوں سے ہوں تو جینے کا کیا مزا
 قائم رکھے خدا کہ علیؑ کے نشان ہیں
 مالک یہی ہیں گھر کے ہی تن کی جان ہیں

۴۹

قوت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور بچھڑا جو ایک دو میں تو پھر ہیں کنارِ گور
 ہوتا ہے زخم دل میں نمک آنسوؤں کا شور جب پتلیاں نہ ہوویں تو چشمِ بشر ہے کور
 تم پہلوؤں میں تھے جو یہ بیکس سنبھل گیا
 پھر خاتمہ ہے جسم سے جب دم نکل گیا

۵۰

بس دیکھ کر نہال ہوئے گلشن جہاں گزرے بہارِ عمر کے دن آگئی خزاں
 اُٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیرِ ناتواں پھولو پھلو جیو کہ ابھی تم تو ہو جواں

عمریں بھی ہیں قلیل کچھ ایسے مُسن نہیں
دونوں کا ہے شباب یہ مرنے کے دن نہیں

۵۱

ان سے نشانِ علیٰ ہے تم سے ہمارا نام
میت کے دفن کا بھی مناسب ہو اہتمام
گھر مٹ گیا نبی کا جو دونوں ہوئے تمام
مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
ثُربت پہ تم سے گل ہوں تو دل باغ باغ ہو
اندھیر ہے جو قبر پر بے چراغ ہو

۵۲

کیجو نہ زکرِ ہجریہ صدمہ ہے دل خراش
ہوگا یہ جسمِ ظلم کی تیغوں سے پاش پاش
بہر پدر کروغن و گور کی تلاش
دو شخص چاہیں کہ اٹھائیں ہماری لاش
رونے کو کوئی دوست نہ یاور سرہانے ہو
فرزند پائنتی ہو برادر سرہانے ہو

۵۳

اکبر نے سن کے آپ سے یہ اشکِ خوں بہائے
عباس بول اٹھے نہ خدا وہ گھڑی دکھائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے
خاک اُس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اٹھائے
دیتے ہیں جان اہلِ وفا نام کے لیے
پائے ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لیے

۵۴

بس گر پڑا قدم پہ یہ کہہ کے وہ با وفا
قاسم کا زکر کرتے تھے ہمیشہ مصطفیٰ
جھک کر کہا حسینؑ نے بھائی یہ کیا کہا
باتیں تو اُن سے تھیں تمہیں کیوں غیظ آ گیا
ہم تم تو ساتھ گلشنِ ہستی سے جائیں گے
اچھا ہماری لاش کو اکبر اٹھائیں گے

۵۵

اُٹھیے قدم سے آپ کی اُلفت کے میں نثار
 آنکھیں قدم پہل کہ یہ بولا وہ نامدار
 غصے میں بھول جاتے ہو بھیا ہمارا پیار
 بے اِزن جنگ سر نہ اُٹھائے گا خاکسار
 ایسا نہ ہوں تجل ہوں رسالت مآب سے
 پہلے مروں گا اکبر عالی جناب سے

۵۶

صدقہ علیٰ کی روح کا اکبر کو روکیے
 نورِ نگاہِ بانوئے بے پر کو روکیے
 دے کر قسم شبیہِ پیمر کو روکیے
 اے آفتابِ دیں مہ انور کو روکیے
 پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہوں
 آقا یہ شہزادہ ہے اور میں غلام ہوں

۵۷

شہ نے کہا کہ سر تو قدم سے اُٹھائیے
 فرقت میں ہم جیئیں کہ مریں خیر جائیے
 لیجیے رضائے حرب نہ آنسو بہائیے
 اپنی سیکنہ جان سے جاکر مل آئیے
 زوجہ کو پیٹتے ہوئے سر دیکھ لیجیے
 بچوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجیے

۵۸

عباسؑ شہ کے گرد پھرے اُٹھ کے سات بار
 بولا وہ پیک شاطر فوج ستم شعار
 بھائی کو گھر میں لیکے چلے شاہِ زی وقار
 لوازن جنگ پا چکے عباسؑ نامدار
 خود دیکھ کر یہ حال پھرا ہوں میں راہ سے
 ملنے گئے ہیں خیمے میں ناموس شاہ سے

۵۹

تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے کمرِ امام
 تیغوں سے گھاٹ روک لیا وہ نیک نام
 نعرہ یہ دمدم تھا کہ اب ہم ہوئے تمام
 اب معرکہ ہے قہر کا اے ساکنانِ شام

دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے
چھوٹے گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

۶۰

دل ہل گئے سپاہ کے سنتے ہی یہ خبر
کاپے مثالِ بیدِ جوانانِ پُرِ جگر
ہلچل میں اس طرف کے پرے ہو گئے ادھر
ساحل سے ہٹ کے نہرِ پکاری کہ اَلْخِذِر
پیچھے ہٹیں صفیں کہ طلاطم عیاں ہوا
دریا جو باڑھ پر تھا وہ اُلٹا رواں ہوا

۶۱

ٹوٹے وہ مورچ جو بندھے تھے پئے جدال
برچھی گری زمیں پہ کسی کی کسی کی ڈھال
اللہ ری ہیبتِ خلفِ شیرِ زوالِ جلال
کانپی زمیں کھڑے ہوئے روئیں تنوں کے بال
منہ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا
دشتِ نبرد کھیت بنا زعفران کا

۶۲

تھا ششجہت میں غل کہ یہ ہے روزِ انقلاب
اُلٹے گا آبِ زمیں کا وَرَقِ ابنِ بوتراب
اس شیر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتح یاب
بس آبِ بنائے عالمِ امکاں ہوئی خراب
حملہ غضب ہے بازوئے شاہِ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا

۶۳

ڈر سے ہوا تھی ایک طرف گردِ اک طرف
بھرتے تھے خیرِ بھی دمِ سردِ اک طرف
سمٹے ہوئے تھے کونے کے نامردِ اک طرف
تھے روسیہ شام کے سب زردِ اک طرف
بھاگے تھے نیزہ باز لڑائی کو چھوڑ کے
ضمیمہ نکل گئے تھے ترائی کو چھوڑ کے

۶۴

تھی اتری سپاہِ ضلالت شعار میں اس صف میں تھی وہ صف یہ قطار اُس قطار ہیں
 سو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں وہ جائے امن ڈھونڈتے تھے کارزار میں
 چہرے تھے زرد خوف سے حیدر کے لعل کے
 نامرد منہ چھپاتے تھے گھونگھٹ میں ڈھال کے

۶۵

سرکردہائے فوجِ مخالف تھے بے حواس کچھ شمر کے قریب تھے کچھ تھے عمر کے پاس
 سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس ضربِ علیٰ ہے ضربِ علمدارِ حق شناس
 طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
 خیر گشا کا زور ہے پنچے میں شیر کے

۶۶

اس فوج میں تو ہے یہ زلزلِ یہ انتشار ہتھیارِ ادھر لگاتے ہیں عباسِ نامدار
 مضطر ہیں بیبیاں شہِ والا ہیں بے قرار بھائی کے منہ کو دیکھ روتے ہیں بار بار
 بیٹا کھڑا ہے چاک گریباں کیے ہوئے
 روتی ہے سوکھی مشک سیکنہ لیے ہوئے

۶۷

منہ دیکھتی ہے باپ کا جب وہ بچشمِ تر کہتے ہیں یہ اشارے سے سلطانِ بحر و بر
 لٹتا ہے باپ تم کو سیکنہ نہیں خبر جانے نہ دو پچا کو ہمیں چاہتی ہوگر
 آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
 دامنِ قبا کانٹے سے ہاتھوں سے تھام لو

۶۸

بھائی کے اضطراب میں زینب کا ہے یہ حال ڈھکی ہوئی سر سے ردا اور کھلے ہیں بال
 عباس سے یہ کہتی ہیں روکر بصدِ ملال چھوڑو نہ شہ کو اے اَسدِ کبریا کے لعل

کیا کہتے ہو سیکنہ سے منھ موڑ موڑ کے
بھیا کدھر چلے میرے بھائی کو چھوڑ کے

۶۹

دیکھو تو حالِ سبطِ رسولِ فلکِ اُساس
ہے کثرتِ سپاہ میں تنہا وہ حق شناس
بیٹی کا غم بھتیجے کا ماتم ہجومِ یاس
قربان جاؤں تم تو رہو بیوطن کے پاس

۷۰

عاشق ہو دلبرِ اُسدِ زوالِ جلال کے
بازو قوی تمہیں سے ہیں زہرا کے لعل کے

۷۱

عباس کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کرو
اُلٹوں صفیں ہزروں سے تنہا و غاکروں
کیونکر نہ حقِ امامِ زماں کا ادا کروں
یہ سر ہے اس لیے کہ قدم پر فدا کروں
پہنچا ہے فیضِ سیدِ خوشِ خو کے ہاتھ سے
دنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے

۷۲

رُخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سالالہ فام
اللہ رو کیے نہ اب اے خواہرِ امام
شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
وہ امر کیجیے کہ بڑھے جس میرا نام
بیکس ہوں ساتھ ماں نہیں سر پہ پدر نہیں
میں آپ کا غلام تو ہوں گو پسر نہیں

۷۳

باتیں یہ سُن کر روتی ہے زینبؓ جھکائے سر
چہرہ تو نفق ہے گود میں ہے چاند سا پسر
تھرا رہی ہے زوجہ عباسِ نامور
مانع ہے شرمِ روتی ہے منھ پھیر کر
موقع نہ روکنے کا ہے نہ بول سکتی ہیں
حضرت کے منھ کو زکسی آنکھوں سے تکتی ہیں

۷۴

کہتی ہیں رو کے بانوئے عالم سے بار بار
ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار
ہمکو تباہ کرتے ہیں عباسِ نامدار
کچھ آپ بولتی نہیں اس وقت میں نثار
کہیے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ میرا گھرتا ہوا

۷۵

اکبر کا واسطہ کوئی تدبیر کیجیے
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجیے
امداد بہر حضرت شبیر کیجیے
پٹکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجیے
اک دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی میں کیا کروں میرے بچے صغیر ہیں

۷۶

عباس دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطراب
روتے ہیں خود مگر یہ اشارہ ہے بار بار
ہوتا ہے تیر غم جگر ناتواں کے پار
شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہے بے قرار
آؤ ادب سے دلبر زہرا کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

۷۷

کھولا ہے گوندھے بالوں کو صاحب یہ کیا کیا
خیر النساء کے لعل پہ ہوتے ہیں فدا
پیٹو نہ سر کہ روتا ہے فرزندِ مہ لقا
شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جاء
ایذا میں صبر صاحبِ ہمت کا کام ہے
میری بھی آبرو ہے تمہارا بھی نام ہے

۷۸

لو پونچھ ڈالو آنسوؤں کو بہر زوالِ جلال
میری مفارقت کا نہ کیجیے کبھی خیال
دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
قائم تمہارے سر پہ رہے فاطمہ کا لعل

غم چاہیے نہ آہ و بکا چاہیے تمہیں
شہ کی سلامتی کی دعا چاہیے تمہیں

۷۸

صدقے ہیں ابنِ فاطمہ پر مجھ سے سوغلام
کیا اشکِ خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام
دیکھو نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں امام
ہم ہاتھ جوڑتے ہیں یہ ہے صبر کا مقام
پوچھیں حضور گر کہ تجھے کیا قبول ہے
صاحب یہ کہو تم کہ رنڈا پا قبول ہے

۷۹

دیکھو کہ گھر میں اور بھی رائنڈیں ہیں تین چار
آدابِ شاہ سے چپ ہیں نہیں کوئی بیقرار
رہ جائے باتِ امر وہ کرتے ہیں ہوشیار
دنیا ہے بے ثبات زمانہ ہے بے مدار
سوائے تفرقے ہوئے ہیں ایک آن میں
صاحب سدا کوئی بھی جیا ہے جہان میں

۸۰

قاسم کو دیکھو جانبِ اکبر کرو نگاہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ
گزری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
کیا صابرہ ہے یہ دخترِ شبیر واہ واہ
سہتی ہے یوں جہاں میں جفا رائنڈ ہونے کی
آواز بھی بھلا کوئی سنتا ہے رونے کی

۸۱

آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بیبیاں
جل جائے دل مگر نہ اٹھے آہ کا دھواں
ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
اُف کچھ نہ منھ سے جو پہنچے لبوں پہ جاں
چرچا رہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
چھوٹی بہو علیؑ کی بڑا نام کر گئی

۸۲

شہر نے یہ کلام کیے جب پچشم تر
ہتھیار سج کے حضرت عباس نامور
چپ ہوگئی وہ صاحب ہمت جھکا کے سر
آئے قریب لختِ دل سید البشر
صدے سے رنگِ سبطِ نبی زرد ہو گیا
کانپے وہ دست و پا کہ بدن سرد ہو گیا

۸۳

جوں جوں قریب آتے تھے عباس نامور
کہتے تھے اضطراب میں جھک کر ادھر ادھر
بیتاب تھے حسین سنبھالے ہوئے جگر
جینے نہ دیگا آہ ہمیں صدمہ کمر
ہے زیست تلخ فاطمہ کے نورِ عین کو
زینبؑ کہاں ہو آ کے سنبھالو حسینؑ کو

۸۴

سب گھر کی بیبیوں کو کہو میرے پاس آئیں
گودی میں تشنہ کام سکیں کو جلد لائیں
بانو کہاں ہیں زوجہ عباسؑ کو بلائیں
یہ نوجواں سنبھالے گا گھر جب مروں گا میں
کوچ اب جہاں سے ہے ہمیں سب آ کے دیکھ جائیں
عباسؑ سے ہر اک سفارش کروں گا میں

۸۵

یہ سُن کے ساری بیبیاں آئیں بحال زار
اُئے آفتابِ عالمیاں نورِ کردگار
بولے قدم پہ جھک کے یہ عباس نامدار
ہل من مبارز کا ادھر غل ہے بار بار
ہیں زڑہ پروری کے چلن آفتاب میں
آقا یہ دیکس لیے خادم کے باب میں

۸۶

لڑکوں نے معرکوں میں کیے اپنے نام
ایسا دن اور بھی کوئی ہوئے گا یا امام
کیا میں غلامِ خاص نہیں اُئے شہِ انام
کس کام کا جو آج نہ کام آئے گا غلام

مشکل ہے ایسے وقت میں رُکنا دلیر کا
آخر پسر ہوں شیر الہی سے شیر کا

۸۷

ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادم جناب خوش ہوتی خاکسار سے روح ابو تراب
اب ہوں ہراک کے آگے خجالت سے آب آب زہرا سے بھی حجاب ہے شبر سے بھی حجاب
آب بھی نہ تیغ و تیرا گرتن پہ کھاؤں گا
مولا بتائیے کسے پھر منہ دکھاؤں گا

۸۸

ساتھ آپ کے سہوں گانہ گر قتل کی جفا مجھ سے رسول پاک خوشی ہونگے یا خفا
بیزار کیا نہ ہوگا دل شاہِ قل کفا پھر فاطمہ کہیں گی مجھے صاحب وفا
مرنے کا حظ نہ جینے کا مطلق مزا رہا
انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا

☆ ۸۹

گر ن ہلا کے شاہ نے کہا آہ کیا کروں مشکل ہے سخت اے میرے اللہ کیا کروں
جینے نہ دیگا یہ غمِ جان کا کیا کروں چھٹتا ہے اب برادرِ زیجاہ کیا کروں
دم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہو گئی
سب تو خفا تھے موت بھی بیزار ہو گئی

۹۰

غازی نے رکھ دیا قدم شاہِ دیں پہ سر بولے گلے لگا کے شہنشاہِ بحر و بر
اے تن کی جان اے سببِ قوتِ جگر یوں ہے خوشی تو خیر جہاں سے کرو سفر
بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہے
اچھا تمہارا کوچ میرا پا تراب ہے

۹۱

روتا ہوا جھکا پئے تسلیم وہ جری
 اک آہِ سرد زوجہ عباسؑ نے بھری
 سب روئے مشک دوش مبارک پہ جب دھری
 صدمے سے زرد تھا اور تن میں تھرتھری
 سر سے ردا بھی دوش تک آ کے گر پڑی
 بانو کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

۹۲

نکلا وہ شیر خیمے سے باہر علم لیے
 جرات نے بڑھ کے بوسہ تیغِ دو دم لیے
 مجرے کو آئی فتح سپاہِ حشم لیے
 نصرت نے چومے ہاتھ ظفر نے قدم لیے
 خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
 اقبال سر کے گرد ہما بن کے پھر گیا

۹۳

آیا سجا ہوا وہ سمندِ براق سیر
 ہوتا تھا اُس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر
 تھا فلک پہ اڑنے کو تیار مثلِ طیر
 الحق سپاہِ شر اُسے روکے تو یہ بخیر
 صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی
 ڈھونڈیں بشر پری نظر آتی نہیں کبھی

۹۴

وہ زیب و زینِ زین کی وہ ساز کی بھین
 چشمِ سیاہ دیدہ آہو پہ طعنہ زن
 زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دلہن
 سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چو کڑی ہرن
 جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا
 پاکھر نہ تھی زرہ میں تہمتن کا جس تھا

۹۵

رکھا قدم رکاب میں حیدر کے لعل نے
 بخشی جو صدرِ زیں کو ضیا خوش جمال نے
 نعلینِ پا کو فخر سے چوما ہلال نے
 دُم کو چنور کیا فرسِ بمثال نے

کس ناز سے وہ رشکِ غزالِ ختن چلا
طاوس تھا کہ سیر سوئے چمن چلا

۹۶

خوشبو سے عرضِ پاک ریاضِ جناں بنی گرد اُڑ کے غازہ رُخِ لیلیٰ و شاں بنی
جلوے سے راہِ دشتِ بلا کہکشاں بنی زرے بنے نجومِ زمیں آسماں بنی
سُم بدر تھے تو نعل بھی چاروں ہلال تھے
نقشِ سُمِ فرس سے ہزاروں ہلال تھے

۹۷

وہ دبذبہ وہ سطوتِ شاہانہ وہ شباب تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب
وہ رُعبِ حق کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب صولت میں فردِ دفترِ جرات میں انتخاب
صورت میں سارے طورِ خدا کے ولی کے ہیں
شوکت پکارتی ہے کہ بیٹے علی کے ہیں

۹۸

پہونچے جو دشتِ کیس میں اُڑاتے ہوئے فرس گھوڑے کو ہاتھ اٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
دیکھیں صفیں جمی جو چپ وراس و پیش و پس نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہے ہوس
روکے گا جو وہ موت کے پنچے میں آئے گا
ہٹ جاؤ سب کہ شیرِ ترائی میں جائے گا

۹۹

بولے یہ بڑھ کے فوجِ مخالف سے پہلواں دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکرِ گراں
یاں سب ہیں روم و شام کے جنگِ آزماجواں ہاں آئیے تو کھینچ کے تیغِ شرِ فشاں
بودے نہیں ہیں کچھ جونگہاں ہیں گھاٹ کے
سر پھینک دیں گے نہر میں خنجر سے کاٹ کے

۱۰۰

سنتے ہی یہ جلال میں آیا علیؑ کا لعل
یہ مورچے ہیں کیا ہمیں جن کا ہو کچھ خیال
نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکے گے کیا مجال
اک دم میں چیونٹیوں کی طرح ہو گئے پائمال
بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
لو مرد ہو تو آب نہ سرکنا ترائی سے

﴿۱۰۱﴾

روک ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو
گرمائے رخش کو جو حرارت کسی میں ہو
لے تیغ ہاتھ میں جو شجاعت کسی میں ہو
آئے جو حرب و ضرب کی قدرت کسی میں ہو
دو ہاتھ میں علیؑ کے پسر وار پار ہیں
دریا نہیں کہ رک گیا ہم زولفقار ہیں

۱۰۲

تم کیا پہاڑ بیچ میں گر ہوں تو ٹال دیں
مہلت نہ ایک کو دمِ جنگ و جدال دیں
شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
پانی تو کیا ہے آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں
منہ دیکھتے رہیں جو نگہاں ہیں گھاٹ کے
لیجائیں گھر پہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے

۱۰۳

سرکش ہیں سب ہماری زبردستیوں سے زیر
جب رن پڑا ہے کر دیے ہیں زخمیوں کے ڈھیر
داد شجاع باپ جو انمرد ہم دلیر
لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر
عفریت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں
بیرِ الم میں کود کے تلواریں ماری ہیں

۱۰۴

جرات جلو میں رہتی ہے نصرت رکاب میں
لکھے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں
سر کاٹتے ہیں پیر کے تیغوں کی آب میں
فصلیں ہیں اپنے زور کی خیر کے باب میں

ناصر ہیں بارگاہِ فلک بارگاہ کے
دفتر اُلٹ دیے ہیں عرب کی سپاہ کے

۱۰۵

بے مشک کے بھرے ہمیں آتا ہے چین کب
اصغر گوگودیوں میں تڑپتے کئی ہے شب
گرمی میں پیاس سے کئی بچے ہیں تشنہ لب
کیا وقت ہے حسینؑ کے بچوں پہ ہے غضب
لالے پڑے ہوئے ہیں سکیں کی جان کے
کانٹے مجھے دکھائے تھے سوکھی زبان کے

۱۰۶

عبرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور سوال آب
اس مشک نے کیا ہمیں عقبی میں کامیاب
سٹے بنے ہیں دیکھ کے بچوں کا اضطراب
اللہ ری آبرو کہ بہشتی ملا خطاب
شہ سے نشانِ فوجِ پیہر بھی مل گیا
طوبیٰ کے ساتھ چشمہ کوثر بھی مل گیا

۱۰۷

یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثل شہ قلعہ گیر آئے
نیزے اٹھا کے شیر کے منہ پر شریر آئے
گیتی ہلی غضب میں جناب امیر آئے
گھوڑا اڑا پردوں کو سواروں کے توڑ کے
لپکی صفوں پہ سیف بھی کاٹھی کو چھوڑ کے

۱۰۸

آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرس تیز گام تھا
یہ صفِ اخیر تھی وہ رسالہ تمام تھا
ششدر تھی موت چاروں طرف قتل عام تھا
اس غول پر کبھی تھی کبھی اُس قطار پر
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پر

۱۰۹

وہ تیغ کی چمک وہ تڑپ راہوار کی
شوکت سوار میں شہِ دُل سوار کی
رفرف کی اک شبیہ تو اک زوالِ فقر کی
حملوں میں شانِ سب اسدِ کردگار کی
چتون وہی غضب وہی بیباکیاں وہی
پھرتی وہی جھپٹ وہی چالاکیاں وہی

۱۱۰

توڑا یہ مورچہ یہ صفِ اُلٹی اُدھر پھرے
یوں خاک پہ گرا کے لعینوں سے سر پھرے
تلوار خوں میں آپ پسینے میں تر پھرے
جیسے شکار کھیلے ہوئے شیرِ نر پھرے
تھی قہر کی نگاہ غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی بھی سُرخ سُرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

۱۱۱

منہ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رُخ کیا
باقی رہے ہزار میں سو دس میں اک جیا
یاں سے وہاں گئے اسے مارا اُسے لیا
اللہ رے دم لہو پہ لہو تیغ نے پیا
اس پر بھی تشنگی میں نہ تسکین زری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ میں اُس کے بھری ہوئی

۱۱۲

بیشک تھا اُن کا ہاتھ امیر عرب کا ہاتھ
آئی اجل اٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ
پہنچا وغا میں سوطرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
شیر خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ
بازو پہ آئی تیغ دو دم شانہ کاٹ کے
پونچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے

۱۱۳

چلتا تھا مثل برق بے بین و یسار ہاتھ
اُن کی نہ ایک چوٹ نہ اُن کے ہزار ہاتھ
ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
کافی تھے سب کو تیغ دوستی کے چار ہاتھ

آواز ششجہت میں بگیر و بزن کی تھی
اللہ کا کرم تھا مدد پنچتن کی تھی

۱۱۴

نعرہ جدا صدائے بگیر و بدہ جدا گوشے کماں سے دور تھے گوشوں سے زہ جدا
بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے زہ جدا نیزوں کو دیکھیے تو گرہ سے گرہ جدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتوں کا زکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

۱۱۵

جس کی طرف نظر دم جنگ و جدل پھری کچھ ہٹ کے تیغ سے اُسی جانب ازل پھری
رہوار یوں پھرا کہ اشارے میں گل پھری تلوار بھی گلوں کی طرف بر محل پھری
ایسے جری سے کس کو مجال مصاف تھی
یوں پھر کے صف کی صف کو جو دیکھا تو مصاف تھی

۱۱۶

چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں ڈر سے بڑھانہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
سر بچ گیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں چمکی گری تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں
چلائی روح تیغ پھر آئی نکل چلو
بولی اجل اب اٹھ کے تو پنچوں کے بل چلو

۱۱۷

نیزے ادھر قلم تو ادھر بر چھیاں قلم ترکش دو نیم ٹکڑے کمانیں نشان قلم
ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم منہ تیغ کا خراب سناں کی زباں قلم
جب سن سے سر پہ آئی کسی بد خصال کے
گویا سموم چل گئی پھولوں پہ ڈھال کے

۱۱۸

کی جس نے سرکشی وہ فتنہ فرو ہوا ظالم ہزار میں تھا جو یکتا وہ دو ہوا
 افشاں لہو سے شیر کا دَسِ نکو ہوا ٹھنڈا وہی تھا جنگ پہ سرگرم جو ہوا
 تھا خاتمہ سپاہِ جہنم مقام کا
 شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا

۱۱۹

وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصار تھا اُس کے ہاتھ سے دل چار آئینہ نگار
 عاری تھیں منہ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار خود اپنے سر پٹکتے تھے گر گر کے بار بار
 پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا
 ہے آج تک زہ کا کلیجہ چھنا ہوا

۱۲۰

جاتی تھی ہر پرے کی طرف سن سے بار بار چڑھ کر سوار گرتے تھے تو سن سے بار بار
 اُٹھتی تھی آلا ماں کی صدا رن سے بار بار ہر سر کا بار اُترتا تھا گردن سے بار بار
 غارت ہوئے تباہ ہوئے بے تڑک ہوئے
 ضرب گراں جو اُٹھ نہ سکی کیا سبک ہوئے

۱۲۱

ثابت رہی نہ ڈھال نہ مغفر نہ سر بچا سینے میں دل کو کاٹ گئی گر جگر بچا
 دو ٹکڑے ہو گیا وہ ادھر جو ادھر بچا بے زخم کھائے ایک نہ بیداد گر بچا
 تلوار سے کوئی کوئی دُر سے ہلاک تھا
 سالم تھا جس کا جسم جگر اُس کا چاک تھا

۱۲۲

سر سے کمر میں تھی تو کمر سے تہہ فرس آفت کا منہ تھا قہر کا دم خم ستم کا کس
 گشتے تڑپ رہے تھے چپ وراس و پیش و پس دو تھے اگر تو چار ہوئے پانچ تھے تو دس

غل تھا وہی لڑے جسے سرتن پہ بارہو
آفت پیا ہے کون اجل سے دو چارہو

۱۲۳

مغفر نہ سر کے پاس نہ خنجر کمر کے پاس بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضے کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس کڑیاں زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس
بوڑی نہ تھی سناں پہ نہ پرچم نشان پر
پیکاں نہ تیر پر تھا نہ چلہ کمان پر

۱۲۴

نہ وہ علم سیاہ نہ وہ رو سیاہ تھے تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی بے پناہ تھے
بے سرتھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے سب چھاوئی اُجاڑ محلے تباہ تھے
دکھلا دیا تھا خالق اکبر کے قہر کو
جیسے غنیم لوٹا پھرتا تھا شہر کو

۱۲۵

بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہے اُس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہے
ہر جاء یہ تیغ شعلہ فشاں سدِ راہ ہے اس معرکے میں کوہ بھی گرہو تو کاہ ہے
جنات ڈر کے ہاتھوں سے منہ ڈھانپتے ہیں آج
میں کیا ہوں جبرائیل کے پر کانپتے ہیں آج

۱۲۶

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سپاہ لعین ہٹی یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمیں ہٹی
سہمے جبال نہر کہیں سے کہیں ہٹی دہشت سے آسماں ہوا اُونچا زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کاشتِ گردوں پہ چڑھ گیا

۱۲۷

اللہ ری جنگِ شیرِ سلیمانِ کربلا
چینوئی بھی مورچوں میں نہ تھی آدمی تو کیا
پہنچے ترائی میں تو یہ اعدا کو دی صدا
کیوں اب یہ نہر کس کی ہے اے قومِ اشقیاء
اک دم میں ہم شکست ہزاروں کو دیتے ہیں
دیکھو اُسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

۱۲۸

رستے کھلے ہوئے ہیں کہاں ہے وہ بندوبست
کس نے یہ روم و شام کی فوجوں کو دی شکست
کیا ہو گئے ترائی سے وہ سب ہوا پرست
کیوں سر بلند کون ہے اس وقت کون پست
فوجوں میں یوں کسی نے بھی گھوڑے اڑاے ہیں
دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑکے آئے ہیں

۱۲۹

دنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے
فاقوں میں شیر بھی ہو مقابل تو منہ کی کھائے
کس دبدبے سے جو ہر تیغ علی دکھائے
اب کچھ اَلم نہیں اَجَل آئے کہ جان جائے
بس ہم نے گھاٹ چھین لیا مشک بھر چکے
شیروں نے جو زباں سے کہا تھا وہ کر چکے

۱۳۰

لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس
چاہیں ابھی تو ہاتھ بڑھا کر بجھائیں پیاس
پر زہر ہے بغیر شہِ آسمانِ اُساس
مرتے ہیں آبرو پہ جو نانِ حق شناس
آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے
بے اُن کے آبِ خضر بھی ہووے تو خاک ہے

۱۳۱

فرما کے یہ سمند کو ڈالا فرات میں
گویا خضر اُتر گئے آبِ حیات میں
دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں
تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک بات میں

سیراب جب تلک کہ شہِ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

۱۳۲

گرمی سے تشنگی میں کلیجہ تھا آب آب گرمی سے تشنگی میں کلیجہ تھا آب آب
آجاتے تھے قریب جو ساغر بکفِ جناب آجاتے تھے قریب جو ساغر بکفِ جناب
عبرائے آبرو پہ ابھی حرف آئے گا
پانی پیا تو نام وفا ڈوب جائے گا

۱۳۳

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیک نام دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیک نام
یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسمان مقام یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسمان مقام
موجیں تھیں رَوِ نیل کی فوجوں کا دل نہ تھا
پر واہ رے حواس کہ آبرو پہ بل نہ تھا

۱۳۴

چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغِ برق دم چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغِ برق دم
دامن سے لگ کے ہاتھ اُلجھتا تھا دمبدم دامن سے لگ کے ہاتھ اُلجھتا تھا دمبدم
اُڑاڑ کے برچھیوں جو اُترتا تھا کھیت میں
گھوڑے کے چاروں پاؤں آتے تھے ریت میں

۱۳۵

جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا سُن سے تیر جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا سُن سے تیر
چلا رہا تھا شمر جفا پیشہ و شریر چلا رہا تھا شمر جفا پیشہ و شریر
رُخ اس جری کا خیمے کی جانب سے موڑ دو
ہاں برچھیوں سے شیر کے سینے کو توڑ دو

۱۳۶

سُن کر زباں دارازیِ شمرِ ستم شعار
عباسِ مثل شیر جھپٹتے تھے بار بار
تلوریں سینکڑوں تھیں ہزاروں تھے نیزہ دار
توڑی یہ صف اگر توجہی دوسری قطار
تہا سنبھالے مشک و علم یا وغا کرے
بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے

۱۳۷

مشہور ہے کہ ایک بھاری ہیں دو بشر
درپے تھے اک جری کے کئی لاکھ اہل شر
کھائے ادھر سے زخم جو کی اُس طرف نظر
کس کس کا وارِ دکریں دیکھیں کدھر کدھر
جب دم لیا تو سینے پہ سوتیر چل گئے
پہلو کو توڑ کر کئی نیزے نکل گئے

۱۳۸

سینہ سپر تھا مشک پہ روکے ہوئے تھے ڈھال
لڑنے میں بھی حسین کے بچوں کا تھا خیال
کہتا تھا دُگمگا کے فرس پہ وہ خوش خصال
فرزند کو سنبھالیے یا شیرِ زوالِ جلال
جا پہنچوں مشک لے کے جو تھوڑی بھی راہ ہو
ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو

۱۳۹

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ کثیر
بس پُور ہو گیا پسرِ شاہِ قلعہ گیر
آکر لگا میانِ دو اُبرو جو ایک تیر
تورا گیا علیٰ ولی کا مہ منیر
چھوٹی جو باگ پاؤں فرس کے بھی رُک گئے
پھیلا کے ہاتھ مشکِ سکینہ پہ جھک گئے

۱۴۰

آبیاں تو خاتمہ ہے سنو اُس طرف کا حال
ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسولِ خدا کا لعل
غم سے کمر جھکی ہوئی رُخ زرد جی نڈھال
وہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقتِ انتقال

گر کر اٹھے تڑپ کے ادھر سے ادھر گئے
جس آہ کی تو سب نے یہ جانا کہ مر گئے

۱۴۱

فریاد کر کے دل کبھی تھما جگر کبھی
گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی
پکڑی طناب خیمے کی گہ اور کمر کبھی
روئے پسر کے دوش پہ رکھ رکھ کے سر کبھی
کی آہ سامنے کبھی زہرا کی جانی کے
رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

۱۴۲

فرماتے تھے کراہ کے بیٹے سے بار بار
کیسا یہ درد ہے کہ جگر کو نہیں قرار
شانے دباؤ آئے علی اکبر پدر نثار
بازو کا زور لے گئے عباس نامدار
واحسرتا کہ بیکس و بے یار ہو گئے
سرکس پیٹیں ہاتھ تو بیکار ہو گئے

۱۴۳

چلاتے تھے کہ جان برادر بس اب پھر آؤ
بھیا خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ
پہنچا ہے دم لبوں پہ ہمیں آ کے دیکھ جاؤ
عباس ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ
پیاری تمہاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہے
لو تم کو ڈھونڈنے کو سکیں نہ نکلتی ہے

۱۴۴

حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہہ کر بصد ملال
ڈیوڑھی میں اہلیت ہیں سب کھولے سر کے بال
خیمے میں غش ہے زوجہ عباس خوش خصال
پردے سے منہ نکالے ہیں اطفال خرد سال
لب ان کے اودے اودے ہیں منہ گورے گورے ہیں
آنکھوں اشک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں

۱۳۵

کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر اب پانی لیکے آتے ہیں عباس نامور
حضرت سے پوچھتی ہے سیکنہ پچشم تر میرے چچا کب آئیں گے اے شاہِ بحر و بر
کیا میں سفر کروں جہاں سے تب آئیں گے
بہلاتے ہیں حسینؑ کہ بی بی اب آئیں گے

۱۳۶

گھیرے ہیں اُن کو لاکھ ستم گار ہائے ہائے مانگو دعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
وہ کہتی ہیں میں پانی سے گزری نہ مشک آئے ہے بس اب چچا کو میرے کوئی پھر لائے
رکھے خدا جہاں میں علیؑ کی نشانی کو
میں کیا کروں گی آگ لگے ایسے پانی کو

۱۳۷

یہ زکر تھا فتح کے باجے بجے ادھر ترپے زمیں پہ گر کے شہنشاہِ بحر و بر
چلائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہل شر حضرت کہاں ہیں مر گئے عباس نامور
کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہے ترائی میں

۱۳۸

افشاں ہے سر کے خون کے چھینٹوں سے سب نشاں عباسؑ کانپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشاں
نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشاں کیوں آئے حسینؑ کون اٹھائے گا اب نشاں
لاش اُن کی پائمال ہوئی زخم پھٹ گئے
جن میں علیؑ کا زور تھا وہ بازو کٹ گئے

۱۳۹

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار آقا تمام ہوتا ہے یہ عبدِ جانثار
تن سے نکل کے آنکھوں میں اُٹکی ہے جان زار اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار

بابا کے ساتھ خُلد سے تشریف لائی ہیں
حضرت کی والدہ میرے ملنے کو آئی ہیں

۱۵۰

شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان
گھر لٹ گیا ہے خاک اڑاتا ہوں بھائی جان
اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان
دست شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
بھیا ہمیں تو اکبرِ مہ رو سنبھالے ہیں

۱۵۱

دیکھا جو در سے بنت علیؑ نے یہ شہ کا حال
چلائی کون قتل ہوا اے علیؑ کے لعل
ڈیوڑھی سے نگلی چند قدم کھولے سر کے بال
مڑ کر کہا حسینؑ نے عباسؑ خوش خصال
دریا پہ فوجِ شام نے مارا دلیر کو
زینب اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

۱۵۲

خورشید مشرقین زمانے سے اٹھ گیا
وہ عاشق حسینؑ زمانے سے اٹھ گیا
حیدرؑ کا نورِ عین زمانے سے اٹھ گیا
زینبؑ ہمارا چین زمانے سے اٹھ گیا
آتا نہیں قرارِ دل بے قرار کو
دریا پہ رونے جاتے ہیں خدمت گزار کو

۱۵۳

اکبر کو ہاتھ اٹھا کے پکاری وہ سوگوار
ماتم جوان بھائی کا ہے تم پہ میں نثار
ہے حسینؑ ہو گئے بے یار و نغمسار
اکبر خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار
گرنے لگیں تو حیدرِ صفدر کا نام لو
بیٹا پدر کے ہاتھوں کو مضبوط تھام لو

۱۵۴

اَکبر پدر کو نہر پہ تھامے ہوئے جولائے غلطاں لہو میں بازوئے سرور کے ہاتھ پائے
چلائے شاہ لاش کدھر ہے کوئی بتائے فرق آگیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے
رو لیں گلے لگا کے تن پاش پاش کو
اَکبر ہمیں دکھا دو برادر کی لاش کو

۱۵۵

اَکبر نے شہ کے ہاتھ پکڑ کر بصد بُکا رکھے چچا کے سینے پہ اور روکے یہ کہا
لیجیے یہی ہے لاش علمدارِ با وفا چلائے جھک کے لاش پہ سلطانِ کربلا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے سنبھالو حسینؑ کو
بھیا زہرہ گلے سے لگا لو حسینؑ کو

۱۵۶

عباسؑ ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہے غضب ریتی پہ دو طرف یہ تمہارا لہو ہے سب
لوٹا ہمیں رسول کی اُمت نے بے سبب بھیا ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب
مر جائیں گے جلا دو ہمیں منہ سے بول کر
دو باتیں کرلو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر

۱۵۷

کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رُخسار خوں میں تر آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمہارا سر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ ادھر ادھر ثابت ہوا کہ جلد ہے دنیا سے اب سفر
ہے ہے دلیل مرگ ہے لکنت زبان کی
ہجکی نہیں یہ جسم سے رُخصت ہے جان کی

۱۵۸

غش میں سنی جو گریہ شبیر کی صدا چونکے تڑپ کے حضرتِ عباسؑ با وفا
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبطِ مصطفیٰ اس پیار کے ثارِ اس الطاف کے فدا

زیبا ہے نکلے جان اگر پیشوائی کو
گویا رسول آئے ہیں مشکل کشائی کو

۱۵۹

یہ کہہ کے روئے شہ کی طرف کی نظر بغور
تر پا قدم پہ شہ کے وہ مقتول ظلم و جور
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کہو کچھ اور
لیں ہچکیاں بگڑنے لگے تیوروں کے طور
پتھرا کے چشم اشک فشاں بند ہو گئی
تھرا آئے دونوں ہونٹ زباں بند ہو گئی

۱۶۰

قدموں کو کھینچ کر جو کراہا وہ تشنہ کام
آقا سے جانکنی میں نہ کچھ کر سکے کلام
گودی میں پاؤں لے کے دبائے لگے امام
تھرائی لاش مر گئے عباس تشنہ کام
گردن پھری ہوئی سوئے سبط نبی رہی
سوکھی زبان دانتوں کے نیچے دبی رہی

۱۶۱

اکبر نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے
جھک کر پکارے شاہ کے بھیا کہہ گئے
منہ تو اٹھاؤ خاک سے رُخسار بھر گئے
وا حسرتا حسینؑ کو بے آس کر گئے
اب کون دے گا دکھ میں نبی کے پسر کا ساتھ
دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ

۱۶۲

ہاں روؤ مومنویہ بُکا کا مقام ہے
اب رُخصتِ حسینؑ علیہ السلام ہے
تم میں شریکِ روحِ رسولِ اَنام ہے
تاریخ آٹھویں ہے محرم تمام ہے
موت آئی تو شریکِ عزاکون ہوئے گا
جو سال بھر جیے گا وہ پھر شہ کو روئے گا

۱۶۳

ہاں مومنو یہ شاہ کی ہے مجلسِ عزا
زہرا بھی نئے سر ہیں قیامت کرو پیا
آگے تمہارے مرتے جو عباسِ با وفا
پُرسہ نہ دیتے سبطِ رسولِ خدا کو کیا
سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو
دے لو جوان بھائی کا پُرسہ حسینؑ کو

۱۶۴

پیٹوسروں کو ہوتا ہے اب مرثیہ تمام
لپٹو صریحِ پاک سے کہہ کہہ کے یا امام
رخصتِ طلب ہے باپ سے اکبر سالالہ فام
خاموش ہیں حسینؑ نہیں کرتے کچھ کلام
مقتولِ ظلم و جور ہے اب جانِ فاطمہ
ہوتا ہے بچتن کا کوئی دم میں خاتمہ

۱۶۵

بس اے انیس روک لے اب خامہ کی عنان
یہ غم ہے جاں گز انہ کبھی ہووئے گابیاں
آنکھوں سے سامعین کے بھی ہیں اشکِ خوں رواں
خالق سے عرض کر کہ اے خلاقِ انس و جان
آنکھوں سے مس کروں میں مزارِ بتول کو
دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسول کو



مرثیہ نمبر ۲

بخدا فارس میدانِ تہوّر تھا حُر ایک دو لاکھ سواروں میں بہادر تھا حُر
دارِ دنیا میں ابوزر کی طرح حر تھا حُر گوہر تاج سرِ عرش ہو وہ دُر تھا حُر

ڈھونڈ لی راہِ خدا کام بھی کیا نیک ہوا
پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا
بخت جب ہو گیا بیدار زہے عزت و جاہ حُر پہ کیا فضلِ خدا ہو گیا اللہ اللہ
پیشوائی کو گئے آپ شہِ عرش پناہ خضرِ قسمت نے بتادی اُسے فردوس کی راہ
مدتوں دور رہے جو وہ قریب ایسا ہو
بخت ایسے ہوں اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

۳

نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر ابھی زرّہ تھا ابھی ہو گیا خورشیدِ منیر
شافعِ حشر نے خوش ہو کے جل کی تقصیر تکیہ زانوئے شبیر ملا وقتِ اخیر
اوج و اقبالِ حشمِ فوجِ خدا میں پایا
جب ہوا خاک تو گھر خاکِ شفا میں پایا

۴ ☆

آیا کس شان سے کعبہ کی طرف چھوڑ کے دیر کوئی حضرت کا یگانہ بھی نہ سمجھا اُسے غیر
حق نے لکھ دی تھی جو تقدیر میں فردوس کی سیر فتنہ و شر سے بچا ہو گیا انجامِ بخیر
زکریٰ خیر اُس موئے پر بھی ہوئے جاتے ہیں
عملِ نیک ہر اک وقت میں کام آتے ہیں

۵

کفر کی راہ سے کارہ تھا جو وہ نیک طریق کس بشارت سے ہوا رہبرایماں کا رفیق
تھے تو لاکھوں پہ کسی کو بھی ہوئی یہ توفیق خلقِ طینت میں ہو جنکے وہی ہوتے ہیں خلیق

اُوج دیندار کو بے دین کو سدا پستی ہے
اصل جس تیغ کی اچھی ہو وہی کستی ہے

۶

کیوں نہ بالیدہ ہو اُس کا چمن جاہ و جلال
ہو گیا فاطمہ کے باغ میں آتے ہی نہال
جس کو سرسبز کرے خود اسد اللہ کا لعل
وہ ثمر پائے کہ پہنچے نہ جہاں دست خیال
کھل گیا غنچہ دل عذر جو منظور ہوئے
صورتِ برگِ خزاں دیدہ گناہ دور ہوئے

۷

خُر کہاں اور کہاں احمدِ مرسل کا خلف
دل صفا ہو گئے سینے میں تو پائے یہ شرف
بخت نے دیر سے پہنچا دیا کعبے کی طرف
جب کہ آنکھیں ہوئیں حق میں تو ملا دُرِ نجف
نیک جو امر ہیں دل پر وہی ٹھن جاتے ہیں
جب خدا چاہے تو بگڑے ہوئے بن جاتے ہیں

۸

وصفِ خُر میں ہے زباں معترفِ بحر و قصور
جب ہوئی مستعدِ جنگ سپاہِ مقہور
آمد آمد کی بہادر کا سنو آب مذکور
مہر افلاکِ امامت نے کیا رن میں ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمیں پر بھی ستارے نکلے

۹

کیا کہوں شانِ جوانانِ جنودِ اللہ
باندھی شیروں نے صفِ جنگِ میانِ جنگاہ
کوئی ہم طلعتِ خورشید کوئی غیرتِ ماہ
چمنِ خلد سے کرنے لگیں حوریں بھی نگاہ
واں لعینوں نے درِ ظلم و ستم کھول دیا
بڑھ کے عباسؑ نے یاں سبز علم کھول دیا

۱۰

ہو گئے سُرخ شجاعت سے رُخ آل نبی آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی
 رَن میں کڑکا ہوا بجنے لگے باجے عربی یلہ تازوں نے کیا شورِ مبارزِ طلبی
 اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیاہ کاروں کی
 برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

۱۱

برچھیاں تول کے ہر غول سے خونخوار بڑھے نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اُسوار بڑھے
 تیر جوڑے ہوئے چٹوں میں کمان دار بڑھے بولے شہ یاں ابھی کوئی نہ زہنار بڑھے
 اُسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
 میں نبی زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں

۱۲

یہ سُخن کہہ کے مخاطب ہوئے اعدا سے امام ائے سپاہِ عرب و روم و اری کوفہ و شام
 تم پہ کرتا ہے حسینِ آخری جت کو تمام پیرِ مصحفِ ناطق ہوں سنو میرا کلام
 سُخن حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
 شورِ باجوں کا مناسب ہو تو موقوف کرو

۱۳

یہ صدا سنتے ہی خود رک گیا قرنا خروش تھم گیا طبلِ دغا کی بھی وہ آواز کا جوش
 ہو گیا جوڑ کے ہاتھوں کو جلا جل خاموش کیا بجاتے کہ بجا تھے نہ کسی شخص کے ہوش
 چھیڑنا اُن کو سرودوں کا بھی ناساز ہوا
 رُعبِ فرزندِ نبی سُر مہ آواز ہوا

۱۴

کم ہوا غلغلہ فوجِ ستم جب یکبار یوں گوہر بار ہوئے شاہ کے لب گوہر بار
 صف کشی کس پہ ہے یہ اے سپہِ ناز قتلِ سادات کی لشکر میں یہ کیسی ہے پکار

وطن آواروں پہ یہ قرق ہے کیوں پانی کا
کیا زمانے میں یہی طور ہے مہمانی کا

۱۵

مجھ کو لڑنا نہیں منظور یہ کیا کرتے ہو
تیر جوڑے ہیں جو تم نے تو خطا کرتے ہو
کیوں نبی زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو
دیکھو اچھا نہیں یہ ظلم بُرا کرتے ہو
شع ایماں ہوں اگر سر میرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم میں پلٹ جائے گا

۱۶

میں ہوں سردارِ شبابِ چمنِ خلدِ بریں
میں ہوں انکشتِ پیغمبرِ خاتمِ کائیں
میں ہوں خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکیں
مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمیں
ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہوگا
محفلِ عالمِ امکاں میں اندھیرا ہوگا

۱۷

قلزمِ عز و شرف کا دُرِ شہوار ہوں میں
آج گو مصلحتاً بیکس و ناچار ہوں میں
سب جہاں زیرِ نگین ہو وہ جہاں دار ہوں میں
ورثہِ احمدِ مختار کا مختار ہوں میں
بخدا دولتِ ایماں اسی دربار میں ہے
سب بزرگوں کا تبرک میری سرکار میں ہے

۱۸

یہ قباس کی ہے بتلاؤ یہ کس کی دستار
کس کا راہوار ہے یہ آج میں جس پر ہوں سوار
یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہوں جو میں سینہ نگار
کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دوسر کس کی ہے
کس جری کی یہ کماں ہے یہ سپر کس کی ہے

۱۹

تنگ آے گا تو رکنے کا نہیں پھر شبیر
 ایک حملے میں فنا ہو گئے یہ دولاکھ شریہ
 چل سکیں گے نہ تیر مجھ پہ نہ تلوار نہ تیر
 کاٹ جائے گی گلے سب کے یپ بُراں شمشیر
 شیر ہوں لختِ دلِ غالبِ ہر غالب ہوں
 میں جگر بندِ علیؑ ابنِ ابی طالب ہوں

۲۰

مجھ کو ہوتا نہ اگر بخشش اُمت کا خیال
 روک لیتا مجھے رستے میں یہ تھی حُر کی مجال
 تھام سکتا تھا لجامِ فرسِ برقِ مثال
 پوچھ لو دیکھا ہے اُس نے میرے شیروں کا جلال
 گفتگو میں سپر اُسکی جو نہ ہم ہو جاتے
 ہاتھ اک وار پہونچوں سے قلم ہو جاتے

۲۱

غنیض سے ہونٹ چباتے تھے علیؑ کے دلدار
 نیچے تولتے تھے عون و محمد ہر بار
 اُگلی پڑتی تھی جگر بندِ حسنؑ کی تلوار
 میں نے جب سر کی قسم دی تو رُکے وہ جرار
 چلتی تلوار تو جنگل تہہ و بالا ہوتا
 پھر نہ حُر خلق میں ہوتا نہ رسالہ ہوتا

۲۲

تھا یہ بھرا ہو عباسؑ میرا شیرِ جواں
 سینہ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سناں
 میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ اُٹے بھائی جاں
 رحم لازم ہے ہمیں ہم ہیں امامِ دو جہاں
 کچھ تردد نہیں سرتن سے اُتارا جائے
 کوئی بندہ نہ میرے ہاتھ سے مارا جائے

۲۳

گرچہ یہ امر نہیں اہلِ سخا کو شایاں
 کہ کسی شخص کو کچھ دے کے کرے سب پہ عیاں
 پوچھ لو حُر تو ہے موجود عیاں راجہ بیاں
 اُسی جنگل میں مع فوج تھا یہ تشنہ دہاں

شور تھا آج چلیں جسم سے جانیں سب کی
منہ سے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی

۲۴

زیست ہر شے کی ہے پانی سے شجر ہو کہ بشر
میں نے عباسؑ دلاور سے کہا گھبرا کر
مجھ سے دیکھا نہ گیا میں تو سخی کا ہوں پسر
مشکوں والے ہیں کہاں اُونٹ ہیں پانی کے کدھر
کرم ساقی کوثر کو دکھا دو بھائی
جتنا پانی ہے وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی

۲۵

رہ نہ جائے کوئی ناقہ کوئی گھوڑا بے آب
سٹے منہ کھول کے مشکیزوں کے آپہنچے شتاب
چھاگلین جلد منگاؤ میرا دل ہے بیتاب
متوجہ ہوا میں خود کہ وہ تھا کارِ ثواب
چین آیا نہ مجھے بے اُنہیں آرام دیے
تھا جواک جام کا پیاسا اُسے دو جام دیے

۲۶

تھی یہی فصل یہی دھوپ یہی گرم ہوا
تشنہ کاموں کا وہ مجمع تھا کہ ملتی تھی نہ جاء
ٹھنڈے پانی پہ گرے پڑتے تھے حُر کے رُفقاء
سٹے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا
بھائیو آؤ جو پانی کی طلبگاری ہے
چشمہ فیض حسینؑ ابن علیؑ جاری ہے

۲۷

آب شیریں کو جو دریا ہوا جنگل میں رواں
شکر کرنے لگے تر ہو گئی ہر خشک زباں
فرس و اشتر و قاطر نہ رہے تشنہ دہاں
پانی پی پی کے دعائیں مجھے دیتے تھے جواں
شور تھا ابنِ رید اللہ نے جاں بخشی کی
دین و دنیا کے شہنشاہ نے جاں بخشی کی

۲۸

ایک وہ دن تھا اور اک دن یہ ہے اللہ اللہ
 چشم اُمید ہو کیا سب نے پھرائی ہے نگاہ
 کہ اُسی طرح ہمیں پیاس میں پانی کی ہے چاہ
 کوئی اک جام بھی بھر کر ہمیں دیتا نہیں آہ
 ہر مسلمان پہ نبی زادے کا حق ہوتا ہے
 بچے روتے ہیں تو سینہ میرا شک ہوتا ہے

۲۹

کئی طفل اُن میں کمسن کہ موئے جاتے ہیں
 پانی پانی جو وہ کرتے ہیں تو شرما تے ہیں
 دم اکھڑتا ہے مرا جب اُنہیں غش آتے ہیں
 پاس دریا ہے پہ اک بوند نہیں پاتے ہیں
 سچ ہے غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہے
 تیسرا دن ہے کہ فوقوں میں بسر ہوتی ہے

۳۰

شہ کی مظلومی پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ
 بولا وہ اُشہد باللہ بجا کہتے ہیں شاہ
 عمر سعد نے کی مڑ کے رُخِ حُر پہ نگاہ
 محسن و منعم و آقا ہے میرا یہ زیجاہ
 اُن کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہووے
 سخن حق میں جو شک لائے وہ کافر ہووے

۳۱

ایک میں کیا ہوں زمانے پہ احساں اُن کا
 خشک وتر پر ہے کرم خلق میں یکساں اُن کا
 ابرِ رحمت ہیں خطا پوش ہے داماں اُن کا
 ہے خوشا حال جو غربت میں ہو مہماں اُن کا
 جنتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہووے گا
 جو اُدھر ہوگا خدا اُس کی طرف ہووے گا

۳۲

یہ ابھی ہا تھا اُٹھا کر جو دعا فرمائیں
 حق سے جس شے کے طلبگار ہوں فوراً پائیں
 جتنے عالم کے گنہگار ہیں بخشے جائیں
 جام کوثر یہیں فردوس سے حوریں لائیں

مثلِ خورشید ہے روشن وہ شرفِ ان کا ہے

یہ وہ بندے ہیں کہ اللہ پہ حق جن کا ہے

۳۳

ان سے قطرہ کوئی مانگے تو گھر دیتے ہیں

پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں

آس مجرم کی گنہگار کی اُمید ہیں یہ

زرّہ پرور جنہیں کہتے ہیں وہ خورشید ہیں یہ

۳۴

حر سے گھبرا کے یہ بولا عمرِ سعد شری

اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر نہ تعریفِ امیر

سن چکا ہوں میں کہ مضطر ہے کئی راتوں سے

اُلفتِ شاہ ٹپکتی ہے تیری باتوں سے

۳۵

نہ وہ آنکھیں نہ وہ چہون نہ وہ تیور نہ مزاج

تختِ بخشا ہے محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج

کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے

کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے

۶

کیا کسی حور کا دکھلا دیا حضرت نے جمال

قصرِ یاقوت میں پہنچا جو تیرا رنگ ہے لال

دفعۂ حق نمک کو بھی فرموش کیا

کیا تجھے بادہِ تسنیم نے بے ہوش کیا

۳۷

میں جہاں دیدہ ہوں سب مجھ کو خبر ہے تیری قرۃ العین محمدؐ پہ نظر ہے تیری
ہونٹ بھی خشک ہیں اور چشم بھی تر ہے تیری جسم خالی ہے ادھر جان ادھر ہے تیری
راہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے
تو نے فرزندِ ید اللہ سے سازش کی ہے

۳۸

خیر مخفی نہ رہے گا یہ قصور اور فتور لکھیں گے عہدہ اخبار پہ جو ہیں مامور
حاکم شام ہے جابر وہ سزا دیگا ضرور گر تجھے دار پہ کھینچے تو کچھ اُس سے نہیں دور
سب تیری قوم کے سرتن سے جدا ہوویں گے
زَن و فرزند گرفتارِ بلا ہوویں گے

۳۹

نفع اُس امر میں کیا جس سے ہو مردم کا ضرر آنکھیں نکلیں گی محبت سے جو دیکھے گا ادھر
شجرِ قامتِ سرور پہ جو ڈالے گا نظر سرچڑھے گا تیرا برجھی پہ یہ ہے اُس کا ثمر
اُلفتِ زلف میں بھی پیچ میں تو آئے گا
خالِ رُخ دیکھا تو گھر خالصے لگ جائے گا

۴۰

بدرِ پیشانی سرور کا جو ہے سر میں خیال تو اسی راہ میں نقصاں تیرا ہووے گا کمال
سب میں ہو جائے گا انگشتِ نمائشِ ہلال تیر و شمشیر ہے اُبرو کی محبت کا مال
عشقِ رُخسار میں رُتبہ گھٹ جائے گا
منہ پہ کہتا ہوں کہ چہرہ ابھی کٹ جائے گا

۴۱

خوف کس بات پیاسوں سے یہ تھرا نا کیا لب پہ ہر رتبہ بیکس کی ثلانا کیا
نگ کی بات ہے دشمن کی طرف جانا کیا ہو نبی یا کہ وصی جنگ میں شرمانا کیا

ابھی لیجائیں جو شبیر کا سر ہاتھ لگے
خلد ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ زہر ہاتھ لگے

۴۲

حُر پکارا کہ زباں بند کر او ناہنجار
ابن زہرا ہے جگر بند رسولِ مختار
قابلِ لعن ہے تو اور تیرا وہ سردار
میرا کیا منہ جو کروں مدحِ امامِ ابرار
اک زمانہ صفتِ آلِ عبا کرتا ہے
آپ قراں میں خدا اُن کی ثنا کرتا ہے

۴۳

وصف ایسوں کا زباں پر کوئی کیونکر لائے
کسی انساں نے نہ دنیا میں یہ رُتبے پائے
تین سو آئیہ ہوں تعریف میں جن کی آئے
اپنا محبوب ولی جن کو خدا فرمائے
اُلفتِ آل میں میری تو خوش اِقبالی ہے
سنگ ہے اُن کی محبت سے جو دل خالی ہے

۴۴

اَسفلوں سے ہے محبت تجھے اے سفلہ مزاج
جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج
خاکِ پاؤں کا ہوں میں جو ہے سرِ عرش کا تاج
میرے آقا ساسنی کون ہے کونین میں آج
کیوں تیرے سامنے مکروں کہ نہیں بخشا ہے
ہاں مجھے شاہ نے فردوسِ بریں بخشا ہے

۴۵

باغ جو مجھ کو دکھایا اُسے کیا جانے تو
مجھ کو اللہ نے بخشی ہیں وہ حوریں خوشرو
راحتِ روح ہے جس باغ کے ہر پھول کی بو
کہ جنہیں تیرے فرشتوں نے نہ دیکھا ہو کبھو
نام کوثر کا نہ لے تو مجھے جوش آتا ہے
انہیں چھینٹوں سے تو بے ہوش کو ہوش آتا ہے

۴۶

عزت دیں شرفِ کون و مکاں ہے شبیر
جان زہراً کی محمدؐ کی زباں ہے شبیر
سنگِ پانی ہو وہ اعجازِ بیاں ہے شبیر
جان کیوں ہو نہ اُدھر جانِ جہاں ہے شبیر
مہرباں ہوں تو ابھی عقدہ کشائی ہووے
وہ نہ بخشیں تو خدا تک نہ رسائی ہووے

۴۷

کیا میں اور کیا وہ ریاست میری کیا میرے عیاں
جب کہ آفت میں پھنسی احمدؒ مختار کی آل
واں کی اِملاک و زراعت کا ہو کیا مجھ کو خیال
یاں ہوئی جاتی ہے سادات کی کھیتی پامال
گھر کا آبِ دھیان نہ بچوں کا اَلَم ہے مجھ کو
خانہ بربادیِ شبیر کا غم ہے مجھ کو

❦ ۴۸ ❦

حکمرانوں کی عطا پر ہے تیرا دار و مدار
دارِ دنیا سے تعلق نہیں رکھتے دیندار
کیا مجھے دار پہ کھینچے گا وہ ظالمِ غدار
خوابِ غفلت ہے اُسے میرا ہے طالعِ بیدار
کسی سردار نے یہ اوج نہ پایا ہوگا
دارِ طوبیٰ کا میرے فرق پہ سایہ ہوگا

۴۹

ہے سرفرازِ سدا عاشقِ پیشانیِ شاہ
سجدہ کیجیے کہ ہے بیتِ ابروؤں کی بیتِ اللہ
عشق آنکھوں کا ہے مردم کے لیے نورِ نگاہ
ہے وہ یوسف جسے ہو مصحفِ رُخسار کی چاہ
عاشقِ لب کو خدا لعل و گوہر دیتا ہے
وہ دہنِ چشمہ کوثر کی خبر دیتا ہے

۵۰

خالِ رُخسار نہیں کوئے سعادت ہے یہ
مجھ سے مجرم کے لیے مہرِ شفاعت ہے یہ
ہوں جو آشفتمہ کیسو تو سعادت ہے یہ
بخدا سلسلہ بخششِ اُمت ہے یہ

شبِ معراجِ رسولِ دو جہاں سمجھا ہوں
اُس کے ہر تار کو میں رشتہ جاں سمجھا ہوں

۵۱

وصفِ دنداں میں رہے جس کی زباں گوہر بار
موتیوں سے دہن اُس شخص کا بھر دے غفار
شوق میں سیبِ زقن کے جسے آئے نہ قرار
حوریں غُرفوں سے دکھائیں اُسے رنگِ رُخسار
دَمبدم چاہنے والوں کے لہو گھٹتے ہیں
یہ گلا وہ ہے گلے جس کے لیے کٹتے ہیں

۵۲

صدقے اُس سینے پہ ہیں عاشقِ صافی سینہ
خاک اُس دل پہ جو اس سینے سے رکھے کینہ
حق نما ہے تو جہاں میں ہے یہی آئینہ
اُس کا عاشق ہو تو ہوں کور کی آنکھیں مینا
فیض پاتا ہے وہ جس دل میں ولا ہوتی ہے
چشم کو اُنکی زیارت سے جلا ہوتی ہے

۵۳

پاؤں یہ وہ ہیں کہ ان پاؤں کو جو ہاتھ لگائے
تو سرِ دستِ سرافرازیِ کونین وہ پائے
گردِ نعلینِ مبارک جو اثر اپنا دکھائے
تو تیا ہووے نجلِ کحل جو ہر شرمائے
صدقے کر دیں گے سر ان پاؤں پہ ہم ایسے ہیں
دوش احمد پہ رہے جو یہ قدم ایسے ہیں

۵۴

عملِ خیر سے بہکانہ مجھے او ابلیس
یہی کونین کا مالک ہے یہی راس و رئیس
کیا مجھے دیگا تیرا حاکم ملعون و خسیس
کچھ تردد نہیں کہہ دے کہ لکھیں پرچہ نویس

ہاں سوئے ابنِ شہنشاہِ عرب جاتا ہوں
اے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

۵۵

کہہ کے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار
سرخ آنکھیں ہوئیں ابرو پہ بل آئے اک بار
تن کے دیکھا طرف فوجِ امامِ ابرار
پاؤں رکھنے لگا بن بن کے زمیں پر راہوار
غل ہوا سید والا کا ولی جاتا ہے
لو طرفدارِ حسینؑ ابنِ علیؑ جاتا ہے

۵۶

حرنے نعرہ کیا یا حیدر و صفدر مددے
وقتِ امداد ہے یا فاتحِ خیبر مددے
زوجِ زہراؑ مددے نفسِ پیمبر مددے
بندہ آل ہوں یا خواجہ قنبر مددے
تنِ تنہا ہے غلام اور کئی اظلم ہیں
آئی آواز کہ اے حر تیرے حامی ہم ہیں

۵۷

مل گئی راہِ خدا واہ رے اقبال تیرا
پاک عصیاں سے ہوا نامہٗ اعمال تیرا
جرمِ ماضی ہوئے سب عفو خوشحال تیرا
جلد جا جلد کہ شائق ہے میرا لعل تیرا
مرد ہے جس کی یہ ہمت یہ ارادہ ہووے
ہاں بہادر تیری توفیق زیادہ ہووے

۵۸

منتظر ہیں تیرے سب فوجِ حسینی کے جواں
درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضواں
راہِ تکتی ہیں تیری دیر سے حورانِ جناں
شور کوثر پہ ہے شبیر کا مہماں ہے کہاں
فوجِ قدسی تیری ہمت کی ثنا کرتی ہے
فاطمہؑ آج تیرے حق میں دعا کرتی ہے

۵۹

تو بہشتی ہے یہ کافر ہیں کنشتی اے حر
دیکھ اب صورتِ حورانِ بہشتی اے حر
مٹ گئی سب تیرے اعمال کی تختی اے حر
کس تلاطم سے بچی ہے تیری کشتی اے حر

غضب اللہ کا شبیر کی ناراضی ہے
پنجتن تجھ سے ہیں راضی تو خدا راضی ہے

۶۰

اور بالیدہ ہوا سن کے یہ مژدہ وہ ہزبر
اب تو اس فوج میں اک دم کی بھی تعویق ہے جبر
دل بیتاب پکارا کہ نہیں طاقتِ صبر
قعر دوزخ ہے مسلمان کے لیے صحبتِ گبر
ہاں اٹھا باگ جو شیدائے شہِ عالی ہے
فوج اللہ و نبی میں تیری جاء خالی ہے

۶۱

سن کے یہ باگ جولی اسپ سبک تازا
کیا اڑا رخس کہ طاوس بصد نازا
ڈر سے رنگِ عمر شعبہ پرداز اڑا
دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اڑا
باغِ زہرا میں نسیمِ سحری جاتی ہے
غل تھا دربارِ سلیمان میں پری جاتی ہے

۶۲

کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند
کہتے تھے شرم سے وہ لے کے جو دوڑے تھے کمند
حُر کا ہاتھ آنا تو کیسا نہ ملی گردِ سمند
یہ چھلا وہ تھا کہ آندھی یہ فرس تھا کہ پرند
کیا سبک سوئے چمن بادِ بہاری پہنچی
ہم یہیں رہ گئے واں حرکی سواری پہنچی

۶۳

ہاں ہوئے علمِ امامت سے شدِ دیں آگاہ
میرے لشکر کی طرف ہے رخِ حرزِ بجاہ
ہنس کے عباس سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
سب سے کہہ دو کہ نہ رو کے کوئی اُس شخص کی راہ
جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہماں میرا عاشق میرے پاس آتا ہے



زکر یہ تھا صدا دور سے آئی اک بار
الغیاث اے جگر و جان رسول مختار
مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کا نہیں جس کے شمار
عفو کر عفو کہ اے چشمہ فیض غفار
پار دریائے خطا سے میری کشتی ہووے
دوزخی بھی تیرے صدقے سے بہشتی ہووے

۶۵

کئی دوروں سے تلاطم میں ہوں اے شاہنشاہ
مدد اے نوحِ غریباں میرا بیڑا ہے تباہ
دست و پاگم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوچتی راہ
شور کرتا ہوں کہ بتلائے کوئی جائے پناہ
ابرِ رحمت کی طرف جا یہ صدا دیتے ہیں
سب تیرے دامنِ دولت کا پتہ دیتے ہیں

۶۶

تیرے دامن کے ثار اے میرے آقائے جلیل
رحم کر رحم کہ شرمندہ ہے یہ عبدِ زلیل
دل خنک ہووے جو نکلے کوئی کوثر کی سبیل
جان آجائے جو مولائے دو عالم ہوں کفیل
نہ وزیروں میں یہ ہمت نہ شہنشاہ میں ہے
سب میرے درد کا درماں تیری درگاہ میں ہے

۶۷

خلق میں آپ کے والد کے کرم ہیں مشہور
بات میں بخش دیے سینکڑوں بندوں کے قصور
مجھ سے ہیں باگ پکڑ لینے سے آزرِ درہ حضور
بخش دیجئے تو کرم سے نہیں کچھ آپ کے دور
یہ تو کیونکر کہوں میں لائقِ تعزیر نہیں
مگر اسود سے زیادہ میری تقصیر نہیں

۶۸

اے مددگارِ معینِ ضعفا ادرکنی
اے خبرگیرِ گروہِ غر با ادرکنی
پاؤں لغزش میں ہیں اے دستِ خدا ادرکنی
ہاتھ باندھے ہوں میں اے عقدہ کشا ادرکنی

دیجیے حُر کو سند نار سے آزادی کی
آئیے جلد خبر لیجیے فریادی کی

۶۹

میرے اعمال میں ہر چند سراسر ہے بدی ہوں گنہگارِ خدائے ازلی و ابدی
آپ ہیں مالکِ سرکارِ جنابِ احدی آئے خداوندِ جہاں خُذ بیدی خُذ بیدی
جو تہی دست ہیں تکتے ہیں شہنشاہ کا ہاتھ
آپ کا ہاتھ زمانے میں ہے اللہ کا ہاتھ

۷۰

ایک یہ خستہ تن اور درپے جاں لاکھ حریف آئے سُلیمائے کہیں پامال نہ ہو موڑِ ضعیف
چھوڑ کر آپ کی سرکار کہاں جائے نحیف کیجیے اب نظرِ لطف کہ ہوتا ہے خفیف
ہوں سرافراز جو اتنا ہی کرم ہو جائے
نامِ قنبر کے غلاموں میں رقم ہو جائے

۷۱

استغاثہ جو کیا حرنے یہ بادیدِ نم جوش میں آگیا اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھے ہاتھوں کو پھیلا کے شہنشاہِ اُمم حرکو یہ ہاتھِ غیبی نے صدادی اُس دم
شکر کر سبطِ رسولِ ثقلین آتے ہیں
لے بہادر تیرے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

۷۲

حرنے دیکھا کہ چلے آتے ہیں ہیں پیدلِ شبیر دوڑ کر چوم لیے پائے سرِ عرشِ سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا آئے باتوقیر میں نے بخشی میرے اللہ نے بخشی تقصیر
میں رضا مند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

۷۳

کس کے کیوں باندھا ہے ہاتھوں کو میں ہوتا ہوں نجل
 سہل کر دیں اُسے اور کوئی ہو مشکل
 بھائی آ مجھ سے بغلیں تو ہو کھول کے دل
 غافر و ارحم و تواب ہے رب عادل
 جرم سب محو کیے حق نے تیرے دفتر سے
 آج پیدا ہوا گویا شکمِ مادر سے

۷۴

حر پکارا با ابی اَنْتَ وَاُمی یا شاہ
 قابلِ عفو نہ تھے بندہ آثم کے گناہ
 مجھ سے گمراہ کو اک آن میں مل جائے یہ راہ
 سب ہے صدقہ انہی قدموں کا خدا ہے آگاہ
 نظر ڈرے پہ جو ہو نیر تاباں ہووے
 آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیمان ہووے

۷۵

کون مقدار تھے سلمان و ابوذر تھے کون
 آپ فرمائیں کہ عمارِ دلاور تھے کون
 شور عالم میں جو ہے مالکِ اشتر تھے کون
 اے خداوندِ جہاں حضرتِ قنبر تھے کون
 انہیں قدموں کا تصدق تھا کہ ممتاز ہوئے
 اسی سرکار کی خلعت سے سرفراز ہوئے

۷۶

شاہ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے سب
 دے کسی شخص کو بندے کو یہ مقدور ہے کب
 اُس مسبب کی عنایت کے یہ سارے ہیں سبب
 وہی مُنعم وہی حُسن وہی رازق وہی رب
 اپنے کیسے سے نہ ہم دام و درم دیتے ہیں
 جب وہ خالق ہمیں دیتا ہے تو ہم دیتے ہیں

۷۷

لاکھ ہاتھ اُس کے ہیں دینے کے وہ ایسا ہے جواد
 ہم اگر بھولیں تو بھولیں اُسے ہر وقت ہے یاد
 رزق وہ حوصلہ حرص سے دیتا ہے زیاد
 شکر معبود کا اس پر بھی نہیں کرتے عباد

وہ غنی ہے کہ ہے محتاج زمانہ اُس کا
کبھی خالی نہیں ہوتا ہے خزانہ اُس کا

۷۸

جس قدر اُس سے طلب کیجیے خوشنود ہے وہ صاحبِ جود ہے وہاب ہے محمود ہے وہ
ہاتھ پھیلائے جو سوبار تو موجود ہے وہ بخش دیتا ہے کہ ہم عبد ہیں معبود ہے وہ
پرورشِ جرم پہ بھی صبح و مسا ہوتی ہے
یاں سے ہوتی ہے خطاواں سے عطا ہوتی ہے

۷۹

کہہ کے یہ ساتھ لیے خُکو چلے شاہِ اُمم ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا اللہ رے کرم
راس و چپ قاسم و اکبر تھے زہے شانِ حشم سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرتِ عباسِ علم
دور سے اہل خطا تیر جو برساتے تھے
رُفقاء سائے میں ڈھالوں کے لیے آتے تھے

۸۰

لائے اس عزت و حرمت سے جو مہماں کو امام بولے عباس کمر کھول اَبائے نیک انجام
شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام عرض کی حرنے کمر خلد میں کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

۸۱

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمنگ ایک ہی وار میں دونوں کو کروں گا چورنگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ شہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہے یہ جنگ
کہیں ایسا نہ ہو بچہ کوئی بے جاں ہووے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قرباں ہووے

۸۳

شہ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری
 وادریغا ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری
 مجھ کو مرکز بھی نہ بھولے گی محبت تیری
 خیر فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری
 آج رتبہ تیرا خیل شہدا میں ہوگا
 شب کو تو صحبت محبوب خدا میں ہوگا

۸۴

تجھ سے مخفی نہیں ہفتم سے جو کچھ ہے مرا حال
 قحط پانی کا ہے اس دشت میں گندم کا ہے کال
 راہیں ہر سمت کی روکے ہوئے ہیں اہل ضلال
 نان جو کا بھی ہے ملنا کسی قریہ میں محال
 سب کو ایذا عوض آب غذا ملتی ہے
 دودھ اصغر کو نہ عابد کو دوا ملتی ہے

۸۵

حرنے رو کر سر تسلیم جھکایا بہ ادب
 جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشق سلطان عرب
 شہ نے رومال رکھا آنکھوں پہ رونے لگے سب
 شہ بولے کہ عجب دوست چھٹا ہائے غضب
 دمدمیاں سے جو آواز بکا جاتی تھی
 گریہ آل محمد کی صدا آتی تھی

۸۶

حرچلافونج مخالف پہ اڑا کر تو سن
 وہ جلال اور وہ شوکت وہ غضب کی چتون
 چوکڑی بھول گئے جس کے تگاپو سے ہرن
 ہاتھ میں تیغ سپردوش پہ بر میں جوشن
 دوسرے دوش پہ شملے کے جو بل کھاتے تھے
 کاگل حور کے سب پیچ کھلے جاتے تھے

۸۷

زور بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے
 برچھیوں اڑتا تھا دب دب کے فرس رانوں سے
 دستِ فولاد دبا جاتا تھا دستاؤں سے
 آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانوں سے

خودِ رومی کی جو ضو تا بہ فلک جاتی تھی
چشمِ خورشید میں بجلی سی چمک جاتی تھی

۸۷

نیزہ حرکی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ
قبضہ تیغ پہ رکھے تھی سرِ عجزِ پناہ
تھایہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مارِ سیاہ
آفتابی وہ سپر جس سے نجلِ گروہِ ماہ
قدر اندازوں کو جانوں کے اُدھر لالے تھے
تیرِ تڑکش کے نہ تھے آگ کے پرکالے تھے

۸۸

رَن میں جب شہ کی طرف سے حُر دیندار آیا
غل ہوا سیدِ مظلوم کا غمخوار آیا
کس بشت سے اڑاتا ہوا رہوار آیا
جاٹا خلفِ حیدرِ کرار آیا
تقی نورِ سرِ راہ نظر آتا تھا
جلوہِ قدرتِ اللہ نظر آتا تھا

۸۹

آنے جانے کا بہادر کا کروں کیا مذکور
اے خوشاڑ تبہ فیضِ قدمِ پاک حضور
پہلے کچھ اور ہی جلوہ تھا پر آب اور ظہور
غل تھا آتا ہے ملک پہنچے ہوئے خلعتِ نور
صحتِ اہلِ ولاد میں چلا کرتی ہے
مِس کو اک آن میں اکسیرِ طلا کرتی ہے

۹۰

واہ کیا فیض ہے سرکارِ شہ عالم میں
نورِ یہ حور میں دیکھا نہ بنی آدم میں
زرہِ خاک کو خورشید کیا اک دم میں
یہ وہی حرجی ہے جو ابھی تھا ہم میں
تن ہے خوشبو رُخِ گلرنگِ تروتازہ ہے
خاکِ نعلینِ مبارک کا عجب غازہ ہے

۹۱

مہر زرہ ہے جہاں چہرہ روشن ایسا
چاندنی جس سے کرے کسبِ ضیا تن ایسا
حرز ہو بازوئے داود کا جوشن ایسا
ہوش پریوں کے اڑے جاتے ہیں توسن ایسا
گلشنِ دہر میں لو بادِ بہاری آئی
قاف میں غل ہے سلیمیاں کی سواری آئی

۹۲

حر پکارا کہ بجا کہتے ہو لاشک لاریب
دامنِ حضرتِ شبیر نے ڈھانپے میرے عیب
دولتِ دیں سے نہ دمن میرا خالی ہے نہ جیب
بارک اللہ کی دیتا ہے صدا ہاتھِ غیب
فیضِ پاکر پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا واں سے غنی آیا ہوں

۹۳

مجھ کو خورشید کیا نورِ خدا کی ضونے
نورِ بخشا قمرِ فاطمہ کے پر تو نے
بخت پائے ہیں سکندر کے غلام نو نے
گنجِ وہ لایا ہوں دیکھا جو نہ تھا خسرو نے
دورِ دور آج سے میرا ہے زمانہ میرا
کبھی خالی نہیں ہونے کا خزانہ میرا

۹۴

رُخِ روشن کو میرے تکتے ہو کیا حسرت سے
مل کے آیا ہوں منہ اپنا قدمِ حضرت سے
نور وہ ہے جسے دیکھیں نظرِ رغبت سے
وائے وہ لوگ جو محروم ہیں اس دولت سے
مجھ کو بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہو
ہے غضب آنکھیں تو کھولے ہو مگر سوتے ہو

۹۵

جانِ سلطانِ رسالت کو غنیمت جانو
پسرِ شاہِ ولایت کو غنیمت جانو
نورِ خالق کی زیارت کو غنیمت جانو
قمرِ بُرجِ امامت کو غنیمت جانو

ساتھ اس کے بَرکتِ خلق سے اُٹھ جائے گی
پھر جو ڈھونڈو گے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئے گی

۹۶

ایک سید کے مٹا دینے میں ہے کون سا نام
اس ہوا پر ہو کہ بجھ جائے چراغِ اسلام
گر ہودانا تو کہو بد ہے کہ ہے نیک یہ کام
خوشنما کب ہے وہ تسبیح نہ ہو جس میں امام
شکرِ احسان جنابِ احدی کرتے ہیں
پیشوا سے کہیں پیرو بھی بدی کرتے ہیں

۹۷

یہ سخن سُن کے پکارا پسر سعد شری
ہاں طرفدارِ شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لیے حربوں کو بڑھا فوج کا انبوہ کثیر
فاتحہ پڑھ کے جواں مرد نے کھینچی شمشیر
حر کا منہ سرخ ہوا فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلہِ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

۹۸

رعد تھرا گیا نعرے جو سنے ضیغم کے
استخوانِ کانپ گئے زیرِ زمیں رستم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے
برقِ شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے
نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
بیرقیں گر گئیں ہاتھوں سے نشاں چھوٹ گئے

۹۹

چھیڑ کر باگ فرس کو جو زرہ گرمایا
غیظ میں آن کے گھوڑا بھی عجب کف لایا
شیر سا فوجِ محال پہ چھپٹ کر آیا
روند ڈالا اُسے دم میں جسے سرکش پایا
اُس کا قاتل تھا جو دشمنِ شہِ عالی کا تھا
کاٹ ہر نعل میں شمشیرِ ہلالی کا تھا

۱۰۰

حشر برپا تھا کہ تیغِ حر زیباہ چلی
آگ برسانے کو بجلی سوئے جنگاہ چلی
کس کرشمہ سے وہ لیلیٰ ظفرِ راہ چلی
گہہ تھمی گہہ بڑھی گاہ رُکی گاہ چلی
زخمِ سینے کے گریباں کی طرح پھٹتے تھے
چال کیا تھی کہ ہزروں کے گلے کٹتے تھے

۱۰۱

کیس صفیں صاف مگر منہ کی صفائی نہ گئی
کج ادائی کو نہ چھوڑا وہ لڑائی نہ گئی
کانٹ چھانٹ اور لگاؤٹ وہ رکھائی نہ گئی
سینکڑوں خون کیے اور کہیں آئی نہ گئی
شور تھا برق پئے جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو اجل بن کے پری نکلی ہے

۱۰۲

جس طرف دیدہ جوہر سے نظر کرتی ہے
پل نہ گزرے کہ صفیں زیرِ بر کرتی ہے
چشمِ ہر چند کہ پتلی کو سپر کرتی ہے
ہے وہ طرار کہ آنکھوں میں یہ گھر کرتی ہے
اُس ک افسوس سے جو ساحر ہو وہ جل جاتا ہے
سحرِ پریوں کا اسی طرح سے چل جاتا ہے

۱۰۳

پھونکنے بجلی کو یہ اُس آگ کی ہے پر کالا
کاٹ جائے تو کبھی لہر نہ لے پھر کالا
برچھیاں چل گئیں اُس پر جسے دیکھا بھالا
آگیا دام میں جس شخص پہ ڈورا ڈالا
اُسکے پانی میں کفِ مارِ سیاہ گھولا ہے
باڑھ ہے یا مملک الموت نے منہ کھولا ہے

۱۰۴

آئی جس غول پہ لاشوں سے زمیں پاٹ گئی
دستِ وپا صدر و کمر گردن و سر کاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کہ صفیں چاٹ گئی
دیکھی تیغوں کی جدھر باڑھ اُسی گھاٹ گئی

جس پہ جاتی تھی نہ بے جان لیے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

۱۰۵

گل نئے پھوٹے جو برچھی پہ لگا پھل اُس کا
ڈھیر تھا خاک پہ کاٹا ہوا جنگل اُس کا
زور دکھلاتا تھا ہر ضرب میں کس بل اُس کا
جو بڑھا جنگ میں قصہ ہوا فیصل اُس کا
شور تھا دیکھیے کیسے یہ بلا لیتی ہے
اسقدر جلد تو سیفی بھی نہیں چلتی ہے

۱۰۶

جنگ میں تیغ کو دعویٰ تھا کہ یکتا ہوں میں
چرخ کہتا تھا کہ یا رب تہہ وبالا ہوں میں
سراٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ عنقا ہوں میں
برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یہ یا ہوں میں
کس میں ہے یہ جو تڑپ زیر فلک میری ہے
تیغ کرتی تھی اشارہ یہ چمک میری ہے

۱۰۷

نہ تھی سنگ سے وہ اور نہ رُکی آہن سے
نہ اٹھی اُس کی کڑی ضرب کسی جوشن سے
ہاتھ اڑا دیتی تھی پہنچوں سے تو سر گردن سے
چل گئی بادِ مخالف جدھر آئی سن سے
جوش طوفان کا دکھا کروہ خوش اسلوب گئی
خون کے دریا میں ہر اک کشتی تن ڈوب گئی

۱۰۸

کثرت جو ہر زاتی سے وہ گوجال میں تھی
تھی چمک جانے میں بجلی تو پری چال میں تھی
پر تڑپ صورتِ ماہی وہی ہر حال میں تھی
کبھی مغفر میں کبھی سر میں کبھی ڈھال میں تھی
کہیں دم لینے کی مہلت تھی نہ بسمل کے لیے
تھی جگر کے لیے برچھی تو چھری دل کے لیے

۱۰۹

صید کرنے کو جدھر صورتِ شہباز آئی لاکھ تڑپا وہ نہ بے جان لیے باز آئی
غل ہوا شہپر شاہیں کے تلے قاز آئی اُڑ گیا طائرِ جاں اور نہ آواز آئی
گرچہ قبضے میں لیے تھی اُس پر چھوڑ دیا
تھاز بس صیدزبوں کاٹ کے سر چھوڑ دیا

۱۱۰

آب نے آتشِ سوزاں کا اثر دکھلایا تاب نے مرگِ مفاجات کا گھر دکھلایا
باڑ نے جادہء صحرا سے سقر دکھلایا گھاٹ نے آئینہٴ فتح و ظفر دکھلایا
تیغ کہتی تھی درِ فتح کی مفتاح ہوں میں
قول قبضے کا یہ تھا قابضِ رواح ہوں میں

۱۱۱

خم وہ پایا تھا کہ شرمائے ہلالِ معید حر کے ہاتھ آگئی تھی گلشنِ جنت کی کلید
برش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوجِ یزید جامہ کفر کے پرزے تھے زہے قطع و بُرید
نہ بچاتا نفسِ خلق میں جینے کے لیے
چاک زخموں کے فقط رہ گئے سینے کے لیے

۱۱۲

کئی حملے کیے پیہم جو کمانداروں پر چل گئے تیر ملامت کے خطا کاروں پر
چٹکیاں سب کی دھری رہ گئیں سونواروں پر رُخ پھرا تھا کہ گری برق ستمگاروں پر
جل کہ خرمن یوں ہوا خاک کہ گوشہ نہ ملا
کشکش میں کہیں چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا

۱۱۳

نیزہ فوجِ ستمگار تھے دیکھے بھالے دم میں اُس شیر نیستاں نے قلم کر ڈالے
گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے آفتِ مرگ کو سر سے کوئی کیونکر ٹالے

جب سواروں کے پرے جنگ پہل جاتے تھے
بند سب ناخن شمشیر کے کھل جاتے تھے

۱۱۴

الفِ گرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب میں دال
کبھی برچھی کی اُنی تھی تو کبھی تیر کی پھال
تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کبھی تلوار کبھی خنجر بُراں کبھی ڈھال
ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی
دَم بدم فوج ستنگر بھی ثنا کرتی تھی

۱۱۵

شور تھا آگ ہے تلوار میں یاپانی ہے
ضرب میں فرد ہے یہ زور میں لاثانی ہے
جل بجھے کشتی تن خون میں طوفانی ہے
کہتا تھا حر یہ فقط قوتِ ایمانی ہے
زور تھا مجھ میں نہ ایسا نہ دعا کی طاقت
سب ہے یہ سبطِ پیمبر کی دعا کی طاقت

۱۱۶

کہہ یہ فوج میں پھرتشہ جگر ڈوب گیا
لشکرِ شام کے بادل میں قمر ڈوب گیا
ورطہ قلمِ آفت میں گھر ڈوب گیا
کشمکش تھی کہ عرق میں گلِ تر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا بھرا ہوا شمشیروں میں
کبھی نیزوں کے نیستاں میں کبھی تیروں میں

۱۱۷

گہہ چھپا اور کبھی نکلا وہ مہِ بُرج شرف
کبھی دریا کے کنارے کبھی صحرا کی طرف
کبھی اس صف میں در آیا کبھی روندی وہ صف
کبھی نعرہ تھا کہ صدقے تیرے یا شاہِ نجف
جتنے مجروح تھے دَم اُن کے نکل جاتے تھے
شیر بھی نامِ علیؑ سُن کے دال جاتے تھے

۱۱۸

نخل تھراتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل
کوند جاتی تھی سروں پر جو وہ شمشیر اجل
سر کی جاتی تھی زمیں رن کی غضب تھی ہلچل
منہ کے بل گرتا تھا کوئی تو کوئی سر کے بل
حشر برپا تھا سواروں پہ فرس لوٹتے تھے
دو پہ چار ایک پہ دو پانچ پہ دس لوٹتے تھے

۱۱۹

بڑھ کے فرماتے عباسؑ زہے عزت و جاہ
کہتے تھے ابن حسنؑ واہ حر غازی واہ واہ
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبر شاہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشا اللہ
اپنی جانبازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

۱۲۰

حیف جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی
لاکھ خونریز اُدھر اور اُدھر تنہائی
سامنے چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی
آگیا موت کے پنچے میں نہ کچھ دریگی
فرق پر گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

۱۲۱

سینہ غُر بال ہوا تیر چلے اعدا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلا کے
رکھ دیا شیر نے قابوس پہ سر نہوڑا کے
گر ہوا ارشاد تو مہماں کو سنبھالوں جا کے
خادم حضرت زہراؑ و علیؑ گرتا ہے
خاک پہ اب وہ سعید ازلی گرتا ہے

۱۲۲

شاہ رونے لگے سنتے ہی یہ مہماں کی خبر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر
ہو گئی آنسو سے ریش مبارک سب تر
خُرکی امداد کو ہم جائیں گے اے نورِ نظر

کس سے اس وقت کہوں میں جو قلق مجھ پر ہے
لاش اٹھاؤں گا یہ مہمان کا حق مجھ پر ہے

۱۲۳

عرض کی حضرت عباسؓ نے جاتا ہے غلام
میری اُلفت میں ہوا قتلِ حر نیک انجام
جوشِ رقت میں کہا شہ نے نہیں اے گلِ فام
دوست کیسے جو بُرے وقت میں ہم آئیں نہ کام
اُس پہ جب سخت گھڑی ہوگی تو کام آئیں گے
لاش کیا قبر میں مہمان کی ہم جائیں گے

۱۲۴

اُس کے لاشے پہ نہ جائیں یہ مروت سے ہے دور
قصرِ خلد اُس کو دکھائیں کہ ہوئے عفوِ قصور
اُس سے ہم شاد ہوئے وہ بھی تو ہو کچھ مسرور
سرخرو جاتا ہے دنیا سے وہ خالق کے حضور
ایسا زی رتبہ کوئی خلق میں کم نکلے گا
میرے مہمان کا میری گود میں دم نکلے گا

۱۲۵

یہ سخن کہہ چلے رن کو جنابِ شبیر
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر
واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حربا تو قیر
پہنچے لاشے پہ امامِ دو جہاں وقتِ اخیر
چمن ہستی مہمان کو اُجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کور گڑتے دیکھا

۱۲۶

گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرور
گُرز کیا تجھ کو لگا ٹوٹ گئی میری کمر
میرے مہمان و مددگار و معین و یاور
گر پڑا گھوڑے سے اور آہ نہ کی مجھ کو خبر
دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آیا ہے
کھول دے آنکھ کو بھائی کہ حسین آیا ہے

۱۲۷

واہ رے حر جری میں تیری ہمت کے فدا
اس کو کہتے ہیں محبت اسے کہتے ہیں وفا
ہے یہ بیکس تیرا شرمندہ احساں بخدا
بس یہی بھائی بھی کرتے ہیں جو کچھ تم نے کیا
حق تعالیٰ چمن خلد میں گھر دے بھائی
اس ریاضت کا خدا تجھ کو شرم دے بھائی

۱۲۸

حُر کو چونکا کے حبیب ابن مظاہر نے کہا
آپ بیتاب ہیں اے حر جری ہوش میں آ
دیکھ دیدارِ جگر بندِ جنابِ زہرا
کوچ در پیش ہے یہ وقت نہیں غفلت کا
دم رُکا ہے تو اشارے سے وصیت کر لے
نزاع میں نورِ الہی کی زیارت کر لے

۱۲۹

کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ تو قیر غلام
دیکھ تو رحم تیرے واسطے روتے ہیں امام
بھائی فرماتے ہیں شفقت سے شہِ عرش مقام
اے خوشحال خدا سب کا کرے نیک انجام
حشر تک خلق میں یہ زکرِ غم انگیز رہا
تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز رہا

۱۳۰

نیم وا چشم سے حُر نے رُخِ مولا دیکھا
زیر سر زانوئے شبیر کا تکیہ دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حُر جری کیا دیکھا
عرض کی حُسنِ رُخِ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرشِ تلک نور نظر آتا ہے

۱۳۱

باغِ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار
صاف نہریں ہیں رواں جھوم رہے ہیں اشجار
شاخ سے میری طرف بڑھتے ہیں میوے ہر بار
حوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بہرِ ثار

ہے یہ رضواں کی صدا دھیان کدھر تیرا ہے
دیکھ اے شاہ کے مہمان یہ گھر تیرا ہے

۱۳۲

مجھ کو لینے چلے آتے ہے فرشتے یا شاہ
خلد سے شیر خدا نکلے ہیں اللہ اللہ
ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
لو برا مد ہوئے شہر بھی پدر کے ہمراہ

ننگے سر احمد مختار کی پیاری آئی
دیکھیے آپ کے نانا کی سواری آئی

۱۳۳

قبلہ رو کیجیے لاشہ میرا اے قبلہ دیں
کوچ نزدیک ہے اے بادشہ عرش نشیں
پڑھیے یسین کہ اب ہے مرادم باز بسیں
لیجیے تن سے نکلتی ہے میری جان حزیں
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اُوڑھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

۱۳۴

کہہ کے یہ گود میں شبیر کے لی انگڑائی
شہ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی
آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
چل بسے جری پھر نہ کچھ آواز آئی

طاہر روح نے پروا کی طوبیٰ کی طرف
پتلیاں رہ گئیں پھر کے شہ والا کی طرف

۱۳۵

لاش اٹھا کے شہ دیں خیمے کے در پر آئے
غل ہوا خیمہ اقدس میں کہ سرور آئے
پاؤں مہمان کے سنبھالے علی اکبر آئے
پیچھے پردے کے حرم کھولے ہوئے سر آئے

دختر فاطمہ سامان عزا کرنے لگی
فضہ پردے کے ادھر آ کے بکا کرنے لگی

۱۳۶

شاہ چلائے کہ اے زینبؓ و اُمّ کلثومؓ
 میں بھی مظلوم ہوں مہماں بھی میرا ہے مظلوم
 ماں ہے یاں اس کی نہ خواہر یہ تمہیں ہے معلوم
 کون لاشے پہ کرے نالہ و فریاد کی دھوم
 اجر ہوگا تمہیں اشکوں س جو منہ دھو وگی
 اس کو یوں روؤ کہ جس طرح مجھے روؤ گی

۱۳۷

کہہ دو گبری سے کہ ماتم کے لیے کھول دے سر
 روئے نادان سیکنے اسے عمو کہہ کر
 جاں گز ابن کرے بانوئے تفتیدہ جگر
 ہم ادھر لاش پہ ماتم کریں تم روؤ ادھر
 غل ہے فریاد کا آواز بکا آتی ہے
 سن لو آتماں کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

۱۳۸

میری جانب سے کہو لاش پہ آئیں سجاد
 بعد مرنے کے تو ہو روح مرے دوست کی شاد
 یہ وصیت میری شیعوں کو ہے رکھیں اسے یاد
 ذکر خُسن کے کریں آہ و فغان و فریاد
 جس عزا خانے میں وہ تعزیہ میرا رکھیں
 اُس کا ماتم بھی اُسی بزم میں برپا رکھیں

۱۳۹

دوست کے دوست کا غم دوست سدا کرتے ہیں
 حق محبت کا وفادار ادا کرتے ہیں
 فاتحہ دیتے ہیں سامان عزا کرتے ہیں
 غیر مر جاتا ہے گھر میں تو بکا کرتے ہیں
 تھایہ وہ دوست کہ جان اس پہ فدا ہوتی ہے
 فاطمہؓ اپنا پسر کہہ کے اسے روتی ہے

۱۴۰

سُن کے یہ شور ہوا خُر دلاور ہے ہے
 اُنے مددگار جگر بند پیمبر ہے ہے
 خوں میں سب تر ہے تیرا روئے منور ہے ہے
 تشہ و بکس مظلوم کے یاور ہے ہے

ادھر آنا تھا کہ تیری اجل آئی بھائی
گھر میں سادات کے دعوت بھی نہ کھائی بھائی

۱۴۱

بس انیس اب یہ دعا مانگ کہ اے رب عباد
لکھنؤ کے طبقے کو تو صد رکھ آباد
رونے والے شہ والا کے رہیں خلق میں شاد
اُن کے سائے میں بر و مند ہو اُن کی اولاد
عشرہ ماہ عزائے کشتی میں گزرے
سال بھر شہ کے غلاموں کا خوشی میں گزرے



www.ziaarfat.com
Sabeel-e-Sakina

مرثیہ نمبر ۳

پھوٹا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
کرنے لگا فلک زرا انجمِ نثارِ صبح
۱
گلزارِ شبِ خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
سرگرم زکریٰ ہوئے طاعت گزارِ صبح

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina